کربیہ طربیہ

منظوم ترجمہ

DANTE'S

DIVINA COMMEDIA

حصّہ اوّل

کربیہ

شوکت واسطی

حروفِ پاکستان

[illegible] ۱۳ ۔ سی [illegible] پشاور

کربیہ طربیہ

منظوم ترجمہ

DANTE'S

DIVINA COMMEDIA

حصّہ اوّل

کربیہ

شوکت واسطی

ادارہ علم و فن
پاکستان

مصنف

منتقل کرنا بھی محال ہے۔ قارئین اپنی سہولت کے لئے ان لوگوں کو چند قطعی برائیوں کی علامتیں جانیں، ان کی ہئیت اور اصلیت کے خرخشہ میں نہ پڑیں۔ اس سے تفہیم کی راہ سہل ہو جائے گی۔ اسی طرح ضمنیات کے یونانی اور رومی حوالے بھی ہیں، لیکن جنہیں ادبیاتِ مغرب سے سرسری بہرہ بھی ہے، وہ ان کو اجنبی نہیں ہوں گے، تاہم حواشی میں اکثر کی تصریح کر دی گئی ہے۔ انجیلِ مقدس کی تلمیحات عام طور سے معلوم ہیں۔ ان قصص کی وضاحت غیر ضروری لگی۔

عزیز احمد مرحوم نے ایک عمدہ معلوماتی مقدمہ اس نظم کے نثری ترجمہ کے ساتھ قلمبند کیا تھا۔ مجھے وہ ابو سعادت جلیلی صاحب (کراچی) کے توسط سے حاصل ہوا۔ اس مقدمہ میں ان تمام تاریخی حوالہ جات۔ شخصیات و مقامات۔ کی توضیح درج ہے جو دانتے کے ہاں جابجا وارد ہوئے۔ اسی میں دوزخ کے ہر طاس، طاق، طارم، طویلے اور طبق کی مختلف گناہ و عذاب کی مناسبت سے ایک خاکہ کے ذریعے نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ خاکہ اس کتاب میں صرف اس تبدیلی کے ساتھ شامل کیا جا رہا ہے کہ اصطلاحات ترجمہ ہذا کی زبان میں مندرج ہیں۔

دانتے کی اس نظمِ عالیہ کا اثر عالمی ادب پر معتدبہ مرتب ہوا۔ ملٹن کی پیراڈائز لاسٹ کے متعدد مقامات اس سے قریب تر ہیں۔ ہماری اردو میں مولانا محمد حسین آزاد کے بعض مقالے، چودھری افضل حق کی قابلِ مطالعہ تصنیف "زندگی" اور علامہ اقبال کی معرکتہ الآرا تخلیق "جاوید نامہ" میں طربیہ ربانی کے خیال و ہئیت کی بازگشت بدیہی ہے۔ اس اعتبار سے یہ منظوم ترجمہ اردو ادب میں تقابلی تحقیق و مطالعہ کے لئے انتہائی دلچسپ

اور مفید ثابت ہوگا۔

پس نوشت: انگریزی کے جس ترجمے سے، کربیہ کو اردو میں منظوم منتقل کرنے کے لئے استفادہ کیا گیا ہے اس کا ایک اعتذاریہ یہاں دہرانا بے جا نہ ہوگا۔

"Every one should know, that nothing harmonized by musical enchainment can be transmuted from one tongue into another without breaking all its sweetness and its harmony." This expression may be regarded as conclusive against the present English rendering undertaken"

انگریزی زبان کا دامن الفاظ بہت وسیع ہے۔ اور ع

گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے

لہٰذا اس منظوم ترجمہ کا مطالعہ بھی اس اعتذاریہ کی روشنی میں کیا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دیگر زبانوں کے ادب عالیہ کے اردو نثری ترجمے موجود ہیں تو انہیں نظم کرنے کی حاجت کیوں ہو۔ زمانۂ طالب علمی میں میں نے سٹرافرڈ بروک کا یہ مقولہ پڑھا تھا۔

Of all possible translations of poetry, prose translation is the most inaccurate— Prose no more represents poetry than architecture does music.

شعر کا شعر میں ترجمہ کم از کم مترنم حرکات کو تو برقرار رکھتا ہے۔ سو تب سے آرزو سی رہی کہ کچھ رزمیہ شاہکار اردو قلم میں ڈھالے جائیں۔ فردوس گم گشتہ، المیہ حکیم فسطاس اور کربیہ ـــ اسی نوجوانی کی خواہش کا پیرانہ سال روپ ہیں۔ ہومر کی الیڈ کو بھی آشوبیہ کے نام سے اردو نظم میں ڈھالنے کی سعی جاری ہے۔

پشاور

ستمبر ۱۹۸۲ء

کوائفِ زندگی ۔ دانتے

۱۲۶۵ (مئی)۔ پیدائش بمقام فلورنس ۔ شہرِ گل،
باپ الیگری، ماں بیلہ

۱۲۷۴ بتیرس، دخترِ فلکو پرتنری کی تیرِ نظر کا شکار، محبوبہ

۱۲۸۹ کمپل دنی کی لڑائی میں شرکت، اہلِ فلورنس اہلِ اریزو پر غالب

۱۲۹۱ جمی دی دناتی سے شادی، ناخوشگوار متاہل زندگی
تاہم پانچ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

۱۳۰۰ میں دانتے پر القا ہوتا ہے، طربیۂ ربانی کی تخلیق کا خیال
صدرِ سربراہانِ فلورنس / بیانچی اور نیری جماعتیں

۱۳۰۳ پاپائے روم کی خدمت میں سفیر کی حیثیت سے حاضر، وطن سے
عدم موجودگی میں خیانت میں ماخوذ کر کے ہموطن دو سال کے لئے
شہر بدر کر دیتے ہیں۔ ضبطیٔ جائیداد، زندہ جلا دینے کی سزا ۔ مگر اس
پر عملدرآمد نہیں ہو پاتا۔

۱۳۰۴ جلاوطنوں کی بارہ رکنی مجلس کا ممبر، فلورنس پر ان کا ناکام دھاوا

۱۳۰۶ پڈوا میں

۱۳۰۷ لنگیانہ میں

۱۳۰۸ ویرونہ، پھر پیرس اور آکسفورڈ میں

۱۳۱۳ ویرونہ میں پناہ گزیں

۱۳۲۱ (جولائی) وفات

فلورنس

۱۲۰۷ پہلے منتظمِ اعلیٰ PODESTA کا تقرر

۱۲۱۶ گویلف GUELPH اور گبیلان GHIBELLON
کی جماعتوں کا قیام، اُس میں شہری حریت پسند، تاجر اور صنعت کار شامل تھے اور پاپائے روم کی سرپرستی میسر تھی۔
اِس میں شہری حقوق یافتہ امرا، جنگجو اور شہسوار شریک تھے اور شہنشاہ سرپرست تھا۔

1250 گویلف برسرِ اقتدار — گبیلان شہر بدر، جائیدادیں ضبط
دانتے شہنشاہیت پسند تھا، اٹلی سے اُسے خاص اُنس نہ تھا مگر فلورنس پر وہ مرتا تھا۔

فلورنس۔ پھولوں کا شہر، دریائے ارنو کے کنارے پرانی آب تاب سے آباد ہے۔ پرانے پل پونٹے وکیو پر اب بھی وہی دورویہ کئی سو سال پہلے کی کوٹھیاں ہیں۔ یہاں میدی چی خاندان کے مقبرے میں مائیکل اینجلو کے بنائے ہوئے دن رات اور صبح شام کے مجسمے ہیں۔ آگے کلیسائے کلاں — سانتا ماریا دلفیورے۔ میں ڈومینکو ڈی مچلنو کی بنائی ہوئی تصویر طربیہ خداوندی ہے — سامنے دانتے کتاب کھولے کھڑا ہے، فردوس پر ستارے اور عقب میں اعراف کا پہاڑ ہے سیدھے ہاتھ پر جہنم کے عذابوں کا دلدوز نقشہ ہے۔

(تلخیص از عزیز احمد)

کوائف زندگی

شوکت واسطی، صلاح الدین

۱۹۲۲ (اکتوبر) پیدائش بمقام ملتان

والد سید نعمت علی شاہ، والدہ بسم اللہ

۱۹۲۸ فیروز پور ڈلہوزی ۔ ابتدائی تعلیم

۱۹۳۳ راولپنڈی ۔ اسلامیہ ہائی سکول

۱۹۳۸ مری، گورنمنٹ ہائی سکول، میٹرک

۱۹۳۹ سید عبدالحمید عدم سے تلمذ بہ ہمراہی مشتاق اسلام آباد

۱۹۴۲ راولپنڈی گارڈن کالج ۔ بی اے آنرز ہمراہی ایوب محسن، محمد امین

۱۹۴۴ پشاور، ایڈورڈز کالج ۔ ایم اے (تاریخ)

۱۹۴۵ شاہ آباد کرنال میں راشدہ سے شادی، بچے (نازکلی، شمعونہ) صغر سنی میں مر گئیں،

فرزانہ ۔ التفات ۔ صباحت (نواسہ سمی فر)

۱۹۴۸ سرحد، محکمہ تعلیم ۔ ایبٹ آباد، مردان، کوہاٹ، پاراچنار، ڈیرہ اسمٰعیل خان

چارسدہ، نوشہرہ، سیدو (سوات) صوابی، پشاور، میران شاہ

(خواجہ محمد اشرف کے مشورے پر اس محکمہ میں ملازمت کی)

۱۹۷۴ چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ

○

میرا تجربہ

عمر کیوں ساری گنوائی شعبۂ تعلیم میں

شوکتؔ اس پیشہ میں ایسی نیک نامی بھی نہ تھی

ماحصل:

سی و پنج سال عمرم بہ ملازمت بسر شد
سحرِ شباب خود را ہمہ تیرہ شام کردم
چہ شود در عہدِ پیری، ہمہ عمر در جوانی
بہ سگاں ادب نمودم، بہ خراں سلام کردم

(تلوک چند محروم)

(کہ وہ بھی محکمہ تعلیم ہی سے منسلک رہے تھے)

پشاور

۱۹۴۲	پشاور، اردو سبھا کا قیام، روشنیاں، اشارے مرتب کئے
۱۹۴۴	گیتوں کا مجموعہ۔ جل ترنگ
۱۹۴۷	حفیظ اثر کے ساتھ ماہنامہ نوبہار کا اجراء
۱۹۵۱	ایبٹ آباد، خان عطاء اللہ جان کی سرپرستی میں بزم علم و فن کا قیام
۱۹۵۵	تاریخ عالم دس سبق۔ (انگریزی)
۱۹۵۹	تاریخ اسلام کا اجمالی خاکہ، اشک آتش، رسولِ مقبول صلعم
۱۹۶۵	شیشۂ ساعت (قومی نظمیں)
۱۹۷۰	انڈو پاک ہسٹری (انگریزی)
۱۹۷۲	رسالت و خلافت، فردوس گم گشتہ (پہلا دفتر)
۱۹۷۴/ ۱۹۷۵	کوئے مغاں، کوئے بتاں، ذوق خامہ۔ نظمیں، غزلیں
۱۹۷۷	پشاور، جناب عزت بخش آوان کی سرپرستی میں ادارہ علم و فن کا احیا تمام سرحد میں بشمول چترال سوات گلگت ذیلی اداروں کا قیام

۱۹۷۸ دارالاشاعت کا قیام۔ نیا پرانا لہجہ۔ خاصۂ خاصانِ رسل کی تالیف

۱۹۷۹ ملٹن کی PARADISE LOST کا منظوم ترجمہ، مکمل بارہ دفتر

— فردوس گُم گشتہ

۱۹۸۰ "تالیف" دیپ جلے لہو لہو، کرسٹو فر مارلو کے ڈرامہ فاؤسٹ کا منظوم مقفیٰ ترجمہ۔

۱۹۸۱ کلیم جلیسری کا مجموعہ کلام "سرودِ امین" تالیف و اشاعت

ذیلی ادارے آزاد کشمیر، پنجاب، بلوچستان اور کراچی میں
کریبہ کا ترجمہ مکمل ہوا۔

○

پشاور کے بارے میں دو تاثر

(ا) کرنا پھوٹا ہے رستے تھکے، یادِ پشاور آتی ہے!

(ب) جانے وہ کونسی منحوس گھڑی تھی شوکتؔ
ہم نے جب شہرِ پشاور میں قدم رکھا تھا

زندگی کی ہے بسر یاں، نہیں شوکتؔ افسوس
غم ہے البتہ، پشاور میں ہی موت آئے گی

نقشۂ جہنّم

گناہ ۔ عذاب

کینٹو	طاس	گناہ	نوعیت	صراحت	طبق	طبیلہ/طارم	طاق/الطاق	عذاب
۳	زیریں	حیات بے مقصد	—	—	—	—	—	نہ یہاں کے رہے نہ وہاں کے رہے
۴		بیگانگئ نصرانیت	—	—	پہلا ہاویہ	—	—	دیدار خداوندی سے محرومی
		۱. نفس پرستی	۱. شہوت	—	دوسرا	—	—	شدید طوفاں اڑائے پھرتا ہے
۶			۲. بسیار خوری	—	تیسرا	—	—	موسلادھار بارش میں بے حس وحرکت چت اور پٹ
۷			۳. اسراف وبخل	—	چوتھا	—	—	بھاری بوجھ تلے دھکم پیل
۸			۴. مغلوب الغضبی	—	پانچواں	—	—	دلدل میں لت پت الف ننگے
۹			(بدعت)	—	چھٹا	(شہر ابلیس)	—	(دہکتی قبروں میں سوزاں)
۱۲	زیریں	۲. اشتداد	۵. تشدد	ہمسائے سے	ساتواں	پہلا طبیلہ	—	قاتل کھولتی اُبلتی ندی میں
۱۳				اپنی ذات سے		دوسرا طبیلہ		خودکشی کرنے والے درخت کی جُون میں
۱۴				خدا سے		تیرا طبیلہ		[illegible]

١٨			٦ - عامیانہ	عصمت دزد، بھڑوے	آٹھواں		پہلا طاق	شیاطین درّہ زن
١٨				خوشامدی			دوسرا طاق	فضلہ میں لتھڑے ہوئے
١٩				دین فروش			تیسرا طاق	گڑھوں میں اوندھے، تلوے سلگ رہے ہیں
٢٠				رمال وکاہن			چوتھا ″	منہ پیٹھ کی طرف الٹے ہوئے
٢١				مفسد، راشی		—	پانچواں ″	قبروں میں مہیب عفریتوں کے شکار
٢٣				ریاکار			چھٹا ″	سیسے کے وزنی لبادوں میں آوارہ
٢٤	زیریں		٧ - بغض	چور			ساتواں ″	بانبیوں میں آدمی سانپ اور سانپ آدمی
٢٦				غلط مشیر			آٹھواں ″	لپٹوں میں جھلستے
٢٨				فرقہ بند			نواں ″	بریدہ و مثلہ اعضا
				فریبی جاتش			دسواں ″	مہلک عوارض میں مبتلا
٣٢			٨ - دغا	اقارب سے	نواں	طارم ١	کائنہ	برف میں گھل رہے ہیں
٣٣				وطن سے		″ ٢	انتی نرہ	برف میں دوسری سزائیں
٣٣				مہمانوں سے		″ ٣	بطلیموسیہ	برف کے باعث آنکھوں میں آنسو منجمد
٣٤				محسنوں سے		″ ٤	کوسی ٹس	شیطان پابہ زنجیر، تین بڑے غداروں کو منہ میں لئے

دوزخ

کینٹو ـــ (۱)

تلخیص :۔ شاعر (دانتے) ایک زبوں دشت میں بھٹک گیا ہے، کوہ پیمائی میں چند خونخوار درندے اس کا آگا رو کتے ہیں، خوبیٔ تقدیر وہاں شاعر ورجل کو لے آتی ہے جو خضرِ راہ بن کر اسے عذابِ دوزخ کے مشاہدے کی دعوت دیتا ہے، پھر وہاں سے اعراف میں جانا ہوگا، آگے شاعر کی محبوبہ
BEATRICE
بئیترس اسے خلدِ بریں میں لے جائیگی۔

دانتے رومی شاعر کے ساتھ چل دیتا ہے۔

اس اپنی چند روزہ زندگی کے اَدھر میں
آپ کو دشتِ زبوں میں، صراطِ الرّاس سے گمراہ پایا'
زباں ہو گنگ دشت ایسا بھیانک ۔
عجب ہُو کا سماں تھا ـــ جھاڑ جھنکاڑ، گھنا گنجان روئیدہ سراسر،
کہ اب تک یاد سے جی ڈوب جائے، وہ سکتہ جس طرح موت
آگئی ہو۔
ـــ ولے شرّے کہ درآں خیر باشد، وہاں جو بھی گوارا پیش آیا،

دگر بھی سب نگاہوں نے جو دیکھا، بیاں اسکو کروں گا بے کم و کاست۔
بمشکل ہی بتا سکتا ہوں کیسے وہاں داخل ہوا پہلے پہل میں،
مرے احساس پر حاوی تھی اس پل گرانی خوابگوں کچھ اس طرح کی
صراط الرّاس جب میں نے کیا ترک،
مگر اک دامنِ کہسار میں جو ہوئی میری رسائی — جس جگہ پر
ہوئی مسدود وہ وادی، مرا دل
کیا تھا جس نے ہیبت سے دریدہ — نظر افراز پر کیا دیکھتی ہے
کہ شانہ ہائے پہنا ہیں منوّر کرن سے اس کرُہ کی جو بہر راہ
ہجومِ رہ نورداں کی ہمیشہ کیا کرتا ہے موزوں رہنمائی ۔
پڑا چندے ہراس اس وقت مدھم کہ گوشہ جگرِ دل گھبرا رہا تھا،
تمام اس رات جو کانٹوں پہ گزری ۔ کسی کا سانس موجوں سے اُلجھ کر
اکھڑ جائے تو جیسے نیم جاں وہ تھکن سے چوُر افتاں او رخیزاں
بدقت بحر سے ساحل تک آ ئے
تو دیکھے اک لق و دق دشت پر ہول، کھڑا وہ دیکھتا رہ جائے جس کو،
یہی عالم تھا میری رُوح کا بھی — ابھی زائل نہ تھی دہشت کہ افتاد
پڑی وہ "سنگ آمد، سخت آمد" کہ جیتے جی نہ دیکھی ہو کسی نے —
کیا قدرے توقف، تب مرے اس تھکے ماندے بدن میں جان آئی
اجاڑ، اوگھٹ ڈھلان اک بار اس پہ ہوا پھر گامزن ایڑی جما کر،
مگر اوپر نہیں ایسا گیا تھا کہ لو اک باگھ، پھرتیلا سبک گام

باگھ، مرادتن آسانی

نظر آیا — وہ ابلق پوستیں، جو نہ دلبکا روبرو پاکر بھی مجھ کو،
مزاحم پیشقدمی میں وہ ڈٹ کر مری پسپائی پر آمادہ اُٹھا۔

ٹھٹک کر پس میں اُلٹے پاؤں لوٹا۔

گھڑی بھر پور جوبن پر سحر کی، صعود افروز سورج رہ پر افراز
لئے ساتھ ان ستاروں کو، ہوئے جو طلوع اس کے برابر میں — ہوا تھا
نختیں ذوقِ ربانی محرک جب اپنی خوشنما رعنائیوں کا۔
تھی ایسی ساز باز آپس میں سب کی مجھے معمورِ امیدِ خوش سے کر دیں۔
سبک پا جانور کی پوست اجلی، مناجاتی سویرا، رت بہاریں۔
مگر مجبور رم جھٹ وہ مسرت، نئی ہیبت اب اس کی جا گزیں تھی،
اٹھائے سر، مقابل عین میرے نمودار ایک ضیغم تھا اچانک۔
کچھ ایسا بھوک میں پاگل کہ ڈر سے ہوا کا بھی کلیجہ منہ کو آئے۔
عقب میں طیف آسا گرگِ مادین، نحیف و زار، ہر شے کی طلب گار،
کئے تھے پائمال اس نے کئی ملک، وہ اس دہشت سے غالب آئی
مجھ پر،
ہراساں کر گئی یوں شکل اسکی، ہوئی سب منہدم امید میری رسائی کی
سرِ کوہ (صفا) تک۔

کوئی سرشارِ حاصل وقت کاتب کرے احساس بھنتہ بیٹھ لے جب،
اسے اندر ہی اندر گھن کی صورت زیاں کی خلفشاری چاٹ جائے۔
مری بھی کیفیت بالکل وہی تھی۔ تعاقب میں وہی منحوس وحشی
ذرا مہلت نہیں دے بلکہ مجھ پر چڑھ آئی ایسی دڑانہ، بتدریج
دھکیلا اس طرف مجھ کو جہاں پر یقینت آرام فرماتا ہے سورج۔
قدم رپٹے، تشبیبی رخ اُلٹ کو گامیں، تو مرے ادراک
نے اک

سورج، برج حمل میں، کہ روزِ آفرینش یہاں اسکی گردش کا آغاز ہوا۔

ضیغم، حُبِ جاہ

گرگِ مادین، طمع

ہیولی سا سجھایا، جسکی آواز ادھک ترکِ سخن سے تھی گلوگیر۔
پڑی صحرائے اعظم میں، جب اُس پہ نظر میری تو میں چلاّ کے بولا:
"ہے آدم زاد یا آسیب جو بھی، مرے حالِ زبوں پر رحم فرما"۔
جواباً وہ: "نہیں انسان اب میں مگر انسان میں پہلے کبھی تھا،
تولد والدین لومبرے، توطن سے وہ دونوں منتوانی

LOMBARD/ MANTUAN

بشکلِ اقتدارِ جولیس جب تھا مستحکم (ہے یہ اس وقت کا ذکر)،
بعہدِ خوش نہاد آگستس، اس وقت بسر کی عمر میں نے روم میں جب
اساطیری و باطل دیوتا تھے، "مغنّی خوش نفس تھا میں، مجھی نے
حماسہ کیا موضوع اپنے شہ انکائسس کا نیک فرزند،
ٹرائے سے جو وارد تب ہوا تھا کہ شعلے تھے دوال الیوم کے سب
رفیع الشان برجوں پر، فروزاں۔

فرزند AENEAS انکائسس اور افرادیت کا بیٹا، ٹرائے کا شجاع، جس نے بنائے روم ڈالی۔

مگر کیہ سہہ سہا کر ہر صعوبت یہ پسپائی ہے کیسی، کیوں نہیں تو
قدم پیمود اس کوہِ صفا پر، یہ اصل و ماحصل "کُلی طرب" کا؟"
جھجک کر میں جواباً: "کیا نہیں تو وہی ورجل، وہ چشمہ چاہ، جس سے
فراواں تھا رواں سیلِ فصاحت، کُل انبوہِ نوا پرداز کی تو
تعلّی و تجلّی ——— بہرہ ور ہوں تری تصنیف سے، جس کا تجسس
رہا برسوں مجھے، جس کی تلاوت عقیدت سے بکثرت کی ہے میں نے"
مرا استاد تو اور راہ بر بھی! کیا ہے اخذ وہ اسلوب میں نے
فقط تجھ سے لگیں گے چھبے جس کی
مری شہرت کو بھی اب چار چاند ——— اس بلا کو دیکھ ہوں جس سے
گریزاں"

مجھے اس سے بچا دانائے کابل، کہ طاری کر دیا ہے اس نے میرے
بدن کے ہر رگ و ریشہ میں رعشہ۔"

مجھے وہ دیکھ کر نالاں، جواباً: "بلاشک اختیار اک راہ دیگر
تجھے کرنا پڑے گی بچ کے جاہے نکلنا تو جو اس دشت ِ زبوں سے
جسے للکارتا ہے وہ بلا تو گذرنے دے نہ اپنی رہ کسی کو۔
مزاحم یہ اجل سے کم نہیں ہو، یہ اپنی نوع کی وہ زشت و مردار
نہ اسکی حرص ہو کم جو بھی ٹھونسے، اگر خوراک ہو اس کو مہیا
ندیدہ پن ہو پہلے سے زیادہ، وحوش مختلف کی بیاہتا یہ،
یہی پذ موم بندھن بلکہ ہو گا کئی کے ساتھ پھر، تا آنکہ اس کا
طباقی سگ تیا پانچہ کرے گا، اذیت دے کے ماری جائے گی جب،
اساس زندگی جس کی نہ مٹی نہ اسکی بے تکی دھاتیں ہی، بلکہ
یہ نیکی ہو، محبت ہو، خرد ہو!
اور اس کا ملک ہو گا، ملک واقع جو دونوں فیلٹروں کے بیچ میں ہے،
کرے گی اسکی قوت پاسبانی تمام اٹلی کے میدانوں کی یکساں۔
اسی کی خوشنما اقلیم میں سب کمیلہ اصل زاد و یوریالس، نیس و
ٹورنس شامل، کرے گا
تعاقب قریہ قریہ اس بلا کا، نڈھال اس کو تعاقب سے مسلسل
اتنی دوزخ میں جا ڈالے، حسد نے کیا تھا بے مہار اوّل جہاں سے۔
ترے بارے میں فکرِ سودمندی ہوئی مجھ کو مرے پیچھے چلا آ،
تجھے میں لے چلوں گا خضر صورت یہاں سے اس سمائے لایزل
میں،

طباقی سگ، غالباً ویرونہ کا نواب سکالہ

ہمنام قصبے۔ مارکہ فیلٹرو مانٹی فیلٹرو

ملال انگیز ہائے ہو سنے گا، جہاں ارواح پارینہ ملیں گی
عذاب ہائلہ میں مبتلا جو دہائی دیں کہ موت آئے دگر بار۔

ساکنانِ برزخ

پھر ان کے بعد، ان لوگوں کا منظر، درونِ نار آسودہ ملیں جو،
جنہیں ہے آس وہ وقتِ معین ضرور آئے گا، ہو جائیں گے شامل
وہ جب اہلِ سعادت میں ۔۔۔ اگر تو تمنائی ہوا بالا روی کا
تب ان کے خطہ جات سرمدی تک بنے گی رہنما اک روح، مجھ سے

نکوتر۔ محبوبہ دانتے بیتریس

نکوتر، میں کہوں گا خیر باد اور سپرد اس نیک ہستی کے کروں گا۔
(اگر پوچھے سبب تو) حکمرانی ہے جس کیخسروِ مطلق کی بالا،
مجھے اپنی شریعت کے مطابق مگر ٹھہرا کے نافرمان، اس نے
یہ فرمایا نہ اس کے مستقر میں وسیلے سے مرے داخل ہو کوئی۔
وہاں اس ذات کی فرمانروائی، جسے زیبا ہے ساری کبریائی! وہی
بس اور باقی سب ہوس ہے،

اسی کا عرش ہے، کرسی اسی کی،
مبارک صد مبارک ہیں وہ لاریب جنہیں واں باریاب اس نے کیا ہے۔"
اسے میں مجملاً تب یوں: "مغنی"، قسم ہے اس خدا ہی کی، نہ جس کی
عبادت کی ہوئی توفیق تجھ کو، مری یہ التجا ہے (اس بلا سے
اس ارواہنگئی موذن سے محفوظ) مجھے لے چل، جہاں کا تذکرہ تھا،

بابِ برزخ، ولی پطرس کے حکم پر جہاں ایک کروبی پاسبان ہے۔

ولی پطرس کے در کی ہو زیارت، انہیں دیکھوں، روایت سے
تری جو عذابِ ہائلہ میں مبتلا ہیں۔"
روانہ وہ ہوا آگے، چلا میں قدم سے اب قدم اس کے ملا کر۔

کینٹو (۲)

تلخیص : اپنے اعصاب کی وجہ سے شاعر کو شک ہے آیا وہ مجوزہ سفر کا متحمل بھی ہو سکے گا، ورجل اسے ڈھارس دیتا ہے اور وہ کمر ہمت باندھ کر اس ہادی کے پیچھے ہو لیتا ہے۔

○

دن اب ہو گا غروب اور سرمئی کل فضا سایوں سے ہو گی، جانور سب
مشقت سے بڑی دھرتی پہ ہونگے۔ کیا تیار ہیں نے خود کو تنہا
کروں برداشت جو بھی ہو کشاکش — وہ دونوں — دردناک احوالِ اندوہ،
وہ رستہ پُر خطر — وہ ہر لئے گا جو مرا یہ حافظہ غیرِ غلط کوش،
عظیم او نابغہ! اے راقیاؤ! کرو امداد بندہ پرورانہ،
جو گزرا آج تک میری نظر سے پڑا محفوظ ہے لے ذہن سارا
وہ مرقوم ایک دستاویز ہیں — یہ ثبوت اعلیٰ صلاحیت کا تیری۔
ہوا میں اس طرح گویا: "مغنّی مرے خضرا اتنا اندازہ تو کرلے
کہ مجھ میں اس قدر توفیق بھی ہے، ازاں قبل اعتماد ایسا کرے تو یہ مجھ
پر اس مہم جانگسل کا۔
SILVIUS/AENEAS یہ ہے تجھ سے روایت — سلویس کا پدر (اینیس) وہ پُتلا نقص انگیز
زبونی گوشت کا، داخل ہوا تھا حریمِ زمرہ گانِ جاوداں میں، حواس و
ہوش میں یہ باریابی۔
مگر، تاہم وہ اکبر داورِ عرش — عدوئے قادرِ مطلق بدی کا —
کرم گستر ہوا منظور اسے تھا لحاظِ حاصلاتِ خوب ہر دو۔

یہ اس سے کون اور کیا ہو نمویاب، قرینہ جو قرینِ عقل موزوں ۔
خدیو، اتصالِ عرشِ سرمدی سے وہ روم و رومتہ الکبریٰ کا جائز، ہوا
تھا نامزد
حق تو یہی ہے کہ وہ دونوں مقاماتِ شریفہ ہوئے مختص برائے بلدۃ القدس،
جہاں تشریف فرما ہے وہ ہستی جسے میراث میں حاصل ہوئی ہے مبارک
مسندِ پطرس اُسے اُس
سفر میں — یہ عیاں نغمہ سے تیرے — ہوا ادراک وہ احوال کا، جو
وسیلہ بن گیا اس کو ظفر کا، یہ بلکہ نیز پاپائی عبا کا۔
وہیں مخصوص بحرہ جادہ پیما ہوا مابعد واپس تاکہ لوٹے ہمیں اس دین
کا یکا عقیدہ

مخصوص بحرہ - ولی پال

کہ جو بابِ صراطِ آخرت ہے — مگر میں خواب کیسے واں کا دیکھوں؟
مجھے کیوں دیں وہ اذنِ باریابی؟ نہ میں اینس نہ راہب پال ہی ہیں۔
نہ اس لائق خود اپنی نظر میں، نہ اہل ایسا مجھے جانے زمانہ،
کروں میں اس سفر کی گر جسارت یہ خدشہ ہے کہ ہو رسوائی انجام!
بڑا زیرک ہے تو مفہوم بہتر کہیں سمجھے یہ جو میں کہہ سکا ہوں"۔
ابھی جیسے مصمم عزم کرکے کوئی ہو بے عزیمت، اور ڈالے
خیالوں کے ہجوم نو بہ نو سے پسِ پشت اپنا مقصد، اور کر دے
فراموش اولیں غایت کو، بالکل وہی اس ساحلِ بے رنگ و بو پر
مری مجہول کیفیت ہوئی تھی۔ کمربستہ بقصد میلان، میں جو
چلا تھا معرکہ کرنے کو سر، وہ ہوا سب غارتِ ہرزہ خیالی۔
وہ منعم عکس اب ایسے بپاسخ؛ بجا الفاظ سے مفہوم گر لوں

ہے تیری روح پہ پورش کناں بس وہی اک خوفِ ناہنجار، اکثر
مسلط ہو کسی پر ایسے عنوان کہ وہ روگرداں حسنِ عزم سے ہو۔
درندہ جس طرح ہوتا ہے کوئی کہ ڈھب بھر پے تیرہ شفق ہیں۔
تجھے ہو تا کہ دہشت سے رہائی بتاؤں مدعا آمد کا اپنی،
ہوئی جو گفتگو اس وقت، وہ بھی۔ ترے غم نے کیا بے کل مجھے جب۔
مکیں تھا میں بھی اس زمرہ کے ہمراہ معلّق ہے جو محو استراحت۔
جب اس خاتون نے — ایسی خجستہ وہ ایسی خوبرو، چاہا کروں میں
سرِ تسلیم خم —
مجھ کو بلایا، صدائے نرم و شیریں قدسیانہ بنا کر یوں ہوئی مجھ سے
سخن سنج:
"بھئی عکسِ خلیق منتوی! تو ہے جس کا نام زندہ آج تک اور رہے گا
جب تلک قائم ہے عالم!
مرا اک دوست ہم تقدیر تو وہ نہیں میرا اگر ہمزاد کہیے، سراسیمہ بیابانِ
زبوں میں
سرِ رہ نامساعد کلفتوں سے شکستہ حوصلہ پسپا ہوا ہے۔
مجھے تشویش اسکی ہے زیادہ مبادا وہ بھٹک جائے بحدّے
کمک پھر حق میں اسکے رائیگاں ہو۔
سنی ہے کیفیت ایسی سرِ عرش، یہ اندیشہ ہے میں چارہ گری کو
جب اسکی مستعد ہوں، دیر ہو جائے۔
کہ اب جلدی، موثر نغز گوئی بروئے کار لا اپنی سزاوار سبیل اسکی
رہائی کی بہر طور

کوئی تو چاہیئے — للہ مدد کر ۔ مجھے اس سے بڑی راحت ملے گی

تجھے جواب روانہ کر رہی ہوں اس استمداد پہ — میں بیترس ہوں ۔

ورود ایسے علاقے سے مرا، پھر طرب بہر طواف آیا کرے واں ۔

محبت اس جگہ سے لائی مجھ کو، مجھے گویائی بخشی ہے اسی نے،

حضور آقا کے جب ہونگی مودب، تری اچھائی کے گن گاؤں گی میں،

ہوئی وہ چپ تو میں: "اے نیک بی بی، بنی آدم ہوئی تیری بدولت

کہیں ان سے مکرم بیشتر جو نظام شمس عرشی میں ہیں موجود، احاطہ مختصر وہ انتہائی،

ترا ارشاد سر آنکھوں پہ، فوری اگر تعمیل بھی اس کی کروں میں، مری دانست میں تاخیر سے ہو ۔

نہ فرما اور اب منشا کا اظہار، مگر اس کا سبب معلوم ہو کیوں نہیں تھا اجتناب آخر تجھے یوں ۔

چلی آئی جو پنہاور خلا سے ۔ جہاں پہ واپسی کو مضطرب ہے — یہیں اس مرکز اسفل کی خاطر؟

جواباً وہ: یہ استفہام تو نے بصد اخلاص جواب کر لیا ہے

تو اجمالاً بتاؤں کیوں نہیں تھی مرے رستہ میں حائل کوئی ہیبت —

مقامات خطر تو ہیں جہاں سے بدی ماخوذ ہو ڈر ماسوا کا عبث ہے سہمناک اور کچھ نہیں ہے ۔

بحمد اللہ مری ہے ساخت ایسی —

تمہاری خستہ حالی کی خرابی اثر انداز میری ذات پر ہو نہ شعلے حامیہ کے مجھ پہ لپکیں ۔

ملکیں عرشِ بریں پر اک عفیفہ کرے کچھ ایسی دلسوزی سے شیون
اُس اُڑکا اُو پہ

عفیفہ : عفورِ ربانی'

زحمت دے رہی ہوں تجھے جس کو ہٹانے کے لئے ہیں۔ جزائے
سختِ حق بھی ہم رضا ہے۔

بلاکر لوشیہ کو یوں وہ اس سے مخاطب : 'اب ترا بندہ وفادار
تری امداد کا محتاج ہے' یں لے تیری اماں میں سونپتی ہوں۔
یہ سن کر لوشیہ تو برق رفتار — وہ چیرہ دستیوں کی دشمنِ جاں
پہنچ کر تھا جہاں بسرام میرا، رقیہ سنگ بیٹھی، وہ سہیلی پرانے وقت
کی اسکی، کہا پھر

لوشیہ : حکومت سرمدی یا شہید ولیبہ لوشیہ

ROCHEL : زوجہ حضرت یعقوب (رقیہ) والدہ حضرت یوسف و (بن یامین)

'اری سبحان اللہ بتر س کیوں تری کوئی مدد پہنچے نہ اس کو
تجھے جو ٹوٹ کر یوں چاہتا تھا کہ تیری خاطر اس نے تج دیا تھا
ہوا خواہوں کا جمگھٹ؟ کان میں کیا نہیں تیرے پڑا دلگیر نالہ'
نہیں دیکھی اجل جس نے لے یوں کسی بحرِ تلاطم خیز سے بھی
زیادہ تند طوفاں نے دبوچا کہ 'بس مارتا ہے ہاتھ پیر اب؟
کبھی لوگوں میں اس پھرتی سے کوئی نہ اپنے فائدہ کو یوں لپکتا'
نہ ایسا بھاگتا اپنے زیاں سے'

ہوئے الفاظ یہ جو نہی ادا، میں کچھ اس انداز سے آئی اتر کر
اُدھر اپنی مبارک شہ نشیں سے۔

تری سادہ بلاغت کے فسوں پر کیا ہے اعتماد — اس فن نے تجھ کو
اور ان سب کو جنہیں حاصل ہے اس میں ید طولیٰ، بڑا اعزاز بخشا۔
وہ اتنا کہہ چکی تو اس نے اپنی چمکدار، آبجوں آنکھیں پر از اشک

ہٹالیں اک طرف کو، جس پہ میں نے کیا محسوس دوچند اپنا جذبہ،
ترے کام آؤں

یوں چاہا تھا اس نے لہٰذا اس طرح میں آگیا ہوں ۔
تجھے وحشی سے چھٹکارا دلایا، مزاحم تیری نزدیکی ڈگر پہ ہوا تھا پار جو
کوہ صفا تک ۔

پڑی تجھ پر مگر افتاد یہ کیا؟ یہ کیوں یوں پاؤں پیچھے گڑ گئے، کیوں؟
ترے دل میں یہ کیسا وسوسہ ہے رہا کیوں حوصلہ باقی نہیں ہے' وہ
بانکاپن سجیلا

کیا ہوا، جب سعادت یاب عرشی بارگہ کی کریں بھی تین دوشیزائیں عفیفہ، لوشیہ، بیترس (۳)
ساماں

حفاظت کا تری اور میرے الفاظ تجھے دیں خیرِ مستحسن کا مژدہ؟
وہ جیسے شب ہوائے نم زدہ سے ہوں غنچے لب فشردہ اور نگوں سر
طلوعِ صبح ان کی پنکھڑیوں کو سنوارے تو شگفتہ بانکپن سے وہ اپنے
ڈنٹھلوں پر راست جھومیں ۔

توانائی مری بھی ضعف خوردہ کر آئی یہ اسی طور اور دوڑی
مرے دل میں بھی نیکو ہمتی اب'

بڑا بے باک ہو جیسے کوئی یوں کہا فی الفور اسے میں نے جواباً:
'مددگاری پہ ہو غمخوار خاتوں وہ آمادہ' ہوا تو ملتفت یوں
جھٹ اسکی خواہش خوش کا کیا پاس'

دیا تو نے سفر کا حوصلہ خوب بحال اب ہے مرا سابق ارادہ،
بہم یک عزم دونوں ہو گئے ہم — مرے استاد بسم اللہ چل دے'

مرا تو رہنما، مرشد، خداوند۔

کہا یہ میں نے اور جب گامزن وہ ذرا آگے ہوا تو پڑ گیا میں

گھنی گہری بیابانی سڑک پر۔

کینٹو (۳)

تلخیص: ورجل کے ہمراہ دانتے دوزخ کے دروازے پر پہنچتا ہے، جس پر نقش بھیانک کتبہ کو پڑھ کر دونوں اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ ورجل اسے بتلاتا ہے یہاں وہ زندانی مبتلائے عذاب ہیں جنہوں نے اپنا وقت (اسے زندگی سے موسوم کرنا بے جا ہوگا) بے کار غفلت میں گزارا۔ اسی طرح سفر کرتے وہ ندی ایکیران کے کنارے جا نکلتے ہیں، یہاں بوڑھا مانجھی چارون ملتا ہے جو ارواح پار لے جانے پر مامور ہے۔ ندی کو عبور کرکے دانتے دوسرے گھاٹ اترتا ہے تو اس پر دہشت سے سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔

○

گذر کر تو مرے نیچے سے داخل
عقوبت کے غم آگیں شہر میں ہو

گذر کر تو مرے نیچے سے غرقاب
امٹ دردوں کی زہری نہر میں ہو

گذر نیچے سے ان لوگوں کے ہمراہ
ہر اک جو تاقیامت قہر میں ہو

حوالی آتشین و مہذب یہ
رکھی تھی عدل نے بنیاد اس کی

اٹھایا سرمدی جبروت نے پھر
بڑھائی وسعتِ ابعاد اس کی

مدد کو آئے تھے کلی "خرد" اور
محبت اوّلیں ایجاد اس کی

نہیں تخلیق تھا کچھ قبل مجھ سے
مگر جو آپ ہیں بالذات دائم

ازل سے تا ابد لاریب قائم گوارا ہیں مجھے بالذات دائم
ہر اک امید ہے برباد اسکی یہاں داخل ہوا جو یہ سمجھ لے

مجھے اک باب کی محراب عالی پر ایسے نقش واں آئے نظر، تھی سیاہی ان کی مدھم — جس پہ یوں میں: "یہ لفظ استاد میں غامض معانی۔" وہ جیسے منتظر تھا، سو جوابا: کراب شبہات ترک اندیشے زائل کہ ہم ہیں اس جگہ، جیسے کیا تھا تجھے آگاہ، اک بئیس مصیر، اب یہاں فرطِ عقوبت میں گرفتار کچھ ان ارواح سے ہوگی ملاقات جو محروم سکونِ مدرکہ ہیں۔

کیا جب ہاتھ اپنا میری جانب دراز اس نے بہ استحسان، میری بڑی ڈھارس بندھی، تو ساتھ لیکر ہوا سوئے نہاں خانہ رواں وہ۔ یہاں پر آہ و نالہ، شور و شیون کی تھی گونج اس فضا میں جس کے اندر کوئی تارا نہ روزن کر سکا تھا۔ وہاں ہوتے ہی داخل رو پڑا میں پراکرت بولیاں تھیں بھانت بھانت اور زبانیں کثت، ہاہا کار غم کی غضب کے لہجے، آوازیں گلوگیر، پھر اس پہ پیہم ان کی دست کوبی صداؤں کا اضافہ خیز بسیار، بپا غوغا و غل، گرداں مسلسل فضا کے گھور ظلمت زار میں یوں بگولوں میں ہو پرّاں ریگ جیسے — ابھی تک غلبۂ نسیاں تھا مجھ پر، پکارا میں: مرے مالک یہ کیا ہے، سماعت پر ہماری جو گراں ہے، یہ آخر کس قبیلہ کے ہیں افراد جو یوں اندوہگیں حرماں زدہ ہیں؟

جوابا وہ مجھے یوں: "ہے یہ انجام ان ارواحِ خبیثہ کا مقدّر

جنہوں نے زندگی ایسی گذاری کہ مدح وقدح کے قابل نہیں ہے.

ملائک کے اس انبوہِ بداں میں یہ مدغم، سرکشی ہی جن کی وضع،

نہ یزداں کے اطاعت دار ہیں۔

فقط بندے یہ اپنی ذات کے تھے، ثغورِ عرش سے باہر مبادا تجلی

پہ ہوں اسکی بدنما داغ،

جہنم دست کش کیوں جوف میں لے کہ نا زیبا مباہات ان کی ہو،

رہے یہ بربلا گردن دراز اور بڑے ہی بر محل فی النار بھی ہیں"۔

تو میں: استاد کیا افتاد ان پہ پڑی ہے جو یہ واویلا مچا ہے"؟

بپاسخ راست وہ: افشا ابھی لے کئے دیتا ہوں مجمل، کیوں اجل سے

انہیں باقی نہیں امید، ان کی حیاتِ بے بصر بھی ہم چنیں تھی کہ رشک

آئے انہیں ہر ابتری پر

رہے باقی جہاں میں نام ان کا مجاز (اعمال) ہی اس کے نہیں تھے.

نہیں برداشت عدل و رحم کو یہ کہ دونوں ہی انہیں دھتکارتے ہیں.

کتھا یہ چھوڑ، ان کو دیکھتا جا، گزر کے پاس سے آگے نکل چل"۔

نظر سیدھی جواب دوڑائی میں نے، پھریرا ایک دیکھا جو ہر اک سو

دواں ایسا تھا لہراتا ہوا تیز کہ اسکو اک ذرا مہلت نہیں تھی.

جلو میں تھا جلوس ارواح کا وہ طویل، ازبسکہ ناممکن قیاسی

ہو میرا طائرِ فکر ان گنت یوں کئے ہونگے اجل نے صید اپنے.

شناسا بھی کئی چہرے تھے ان میں نمایاں عکس پہچانا پھر

اس کا

کہ ناہنجار بیم جاں سے سہماں گراں منصب سے مستعفی ہوا تھا۔

عام خیال کہ یطالبی پوپ قلسطین پنجم جو ۱۲۹۴ میں منصب سے مستعفی ہوا تھا.

سمجھ میں آگیا واضح، قبیلہ یہ ارواح خبیثہ کا وہی تھا
کہ ہے مقہورِ یزداں کے قریں بھی، پلید اعدائے یزداں کے تئیں بھی۔
یہ بے تقدیر جیتے جی مرے تھے۔ رواں تھے برہنہ نیشِ افگار
بصد سوزش تند یئے اور زنبور
لہو کی اوس گالوں پر سے جن کے لتھڑ کر آنسوؤں میں تھی چکیدہ
انہی کے پاؤں میں، مکروہ کیڑے جسے واں سے سمیٹے جا رہے تھے۔
کچھ آگے پھر نظر ڈالی تو دیکھا کنارے پر بڑی ندی کے ٹھٹ ایک
کہا میں نے: "جناب اتنی اجازت مجھے ہو مرحمت معلوم تو ہو جنہیں
ہم دیکھتے ہیں کون ہیں وہ
کہاں سے یوں کشاں بے تاب کیسے ندی کے پار ہونا چاہتے ہیں۔
مجھے تو خیرہ کن اس روشنی میں نظر آتا ہے کچھ ایسا ہی منظر۔"
وہ اجالاً مجھے یوں: "آگہی سب تجھے ہو گی قدم اپنے رساں ہوں ACHERON جہنم کا ایک دریا
بہ موجِ ماتمینِ جوئے ایکران ۔"
نگاہیں جھینپ کے مارے جھکی تھیں، لحاظ آیا نہ ہوں بارِ سماعت
اسے الفاظ میرے، سادھ لی چپ، نہیں ہم جب تلک دریا پہ آئے
ارے ڈونگی پہ مرد پیر دیکھو روانہ تھا ہماری سمت جس پر
ضعیفی برف کی صورت جمی تھی۔ وہ چلایا۔ خدا کی مار تم پر
زبوں روحو، نہ رکھنا آس بھی اب کہ پھر تم آسماں کو دیکھ لو گے۔
تمہیں لے جاؤں گا اس پار جس جا مسلط تیرگی بے انتہا ہے،
وہاں پر تم گزارو تاکہ اپنی انس ابتر زمہریر و حامیہ ہیں۔
ارے تو اس طرف کو جو کھڑا ہے یہ جیتا جاگتا ہو دفع یاں سے

بس ان کا چھوٹا بھیا مر چکے جو، مگر پھر جلد ہی جب اس نے دیکھا
نہ ان کو چھوڑ ٹس سے مس سے ہوا ہیں تو وہ کہنے لگا: "اک راہ
سے اور

دگر محفوظ جا سے آئے گا تو بر ساحل، نہیں اس رہگذر سے،
سبک زورق کرے گی پار تجھ کو" مرے رہبر نے اس سے یوں کہا: "تو
نہ کر ہلکان اپنی جان چارون، قضا سے یہ مقدر ہو چکا ہے،
جہاں ہم امر قوت اور قضا ہوں تو خاموشی بھلی — بس اور مت پوچھ"
خموشی میں جھٹ اس کے گال کھرّے لٹک کر رہ گئے۔
بے چارہ ماجھی
وہ نرل جھیل کا، شعلوں کے حلقے چکا چوند اسکی آنکھوں کے حواشی
اسی دوران عریاں ماندہ ارواح پریدہ رنگ سن کر دلشکن یہ سخن
کیا دانت غم سے پیستی تھیں۔
کبھی وہ شانِ یزداں میں بکیں کفر، کبھی گستاخیوں کی مرتکب تھیں
حضور والدین ایسی کہ توبہ،
زماں انساں مکاں جو ہر سبھی پر تبرّا بھیجتی تھیں سو قیانہ کہ تھے
پیدائش افزائش کا موجب۔
اکٹھے سب کے سب ماتم کناں سخت کشاں منحوس ساحل
کی طرف تھے۔
جہاں سے پار جائے گا وہ ہر شخص جسے خوفِ خداوندی نہیں ہے
انہیں چارون، وہ عفریت ہیکل، یہ لال انگار آنکھیں جمع
کر کے

بلائے ناؤ پر سب کو، کوئی گر کرے کچھ پیش وپس، چپو ٹکائے۔
خزاں خوردہ سبک بے جان پتے جھڑیں جب ایک کے پس
اک لگاتار،
یہ نوبت ہو کہ ٹہنی سارا گہنا بکھیرے، خاک میں نیچے ملا دے۔
اسی انداز سے دے مارتی تھی نژادِ بدقماشِ آدم کی خود کو
وہ اک کے بعد اک، ساحل کے نیچے۔ اسیرِ دام اک شاہیں کو جیسے
صفیرِ مرغِ دست آموز کر دے۔
چلے جاتے تھے ایسے بیچ میں سے وہ موجِ نیلگوں کے
اور جونہی
اتر جاتے ادھر وہ دوسرے گھاٹ، ادھر جھٹ ایک لگ
جاتا تھا دیگر۔
مجھے وہ مہرباں استاد: فرزند! خدا کے قہر سے ہوتے ہیں جو لوگ
ہلاک، ان سب کو ہر اقلیم سے یاں کیا جاتا ہے جمع اور وہ
مذبذب
نہیں ہوتے کہ ہوں پار اس ندی کے حقیقت میں انہیں عدلِ مساوی
کچوکے دے کے آگے بھیجتا ہے کہ ان کا خوف بن جاتا ہے خواہش
کبھی روحِ نکو گذری نہیں ہے ادھر سے، معترض چارون اگر تھا
تو اسکی گفتگو کا مدّعا جان۔
کہا یہ، تیرگی آلود خطّہ لرز کر رہ گیا بھونچال سے یوں
کہ اب بھی منجمد ملتے کو میرے کئے دیتی ہے یخ ادسوں سے
دہشت،

لفظی ترجمہ ہوتا، "بلاوے پر ہر اک شہباز آسا اتر آتا ہے جو اسکی ندا پر" یہاں تشریح کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

ہوا ارضِ فسردہ میں دھماکہ کہ بجلی نے بھبوکا ارغواں رنگ
کیا ضو پاش ایسا جس نے میرے حواس و ہوش سارے کر لیے سلب:
زمیں پر آ رہا میں اور جیسے کسی کو نیند اچانک آ دبوچے۔

کینٹو ـــــ (۴)

زبریں طاس ۔ پہلا طبق

تلخیص: رعد کی گڑگڑاہٹ، الاماں ۔ شاعر ہڑبڑا جاتا ہے پھر اپنے رہنما کے پیچھے چلتا ہوا، برزخ میں اترتا ہے۔ یہ دوزخ کا پہلا طبق ہے۔ جہاں ان روحوں کا ٹھکانہ ہے جن کی زندگی نکوکاری میں بسر ہوئی اور کسی گناہِ کبیرہ کا مواخذہ ان پر نہیں، تاہم کوتاہیٔ بپتسمہ کی پاداش میں جنت کی سعادت سے محروم ہیں۔ یہاں سے ورجل اسے لے کر دوسرے طبق میں اتر جاتا ہے۔

○

کڑک، ایسی بلا کی گڑگڑاہٹ، دماغ اندر دہل کر رہ گیا تھا۔
اچٹتی ہے اچانک نیند گہری، جھنجھوڑا آپ کو اس طرح میں نے،
کوئی دھچکے سے جیسے ہڑبڑائے
بغور اب یہ تجسس ہو یہ معلوم جگہ تھی کون سی جس میں کھڑا ہوں۔
بلاشک خود کو پایا اس کگر پر اسی اندوہگیں وادی میں ۔۔ پاتال
بھیانک اس جگہ مدغم تھی اک گونج نڑی ہی گھن گرج کی، بے تحاشہ

بگہ فریاد میں'

اس پر محیط ابر' سیہ گہرا دبیز ایسا کہ آنکھیں مری بے فائدہ ہی
زور ڈالیں'

نہ اسکی تھاہ کی ہی کھوج پائیں' نہ ان کو علاوے سجھائی ماسوا خاک۔

"چل اب اتریں جہانِ بے بصر میں" مغنّی نے کہا' پیلا
پھٹک منہ'

رواں آگے ہوں تو پیچھے چلا آ'۔ ہوائی اس کے چہرے پر جو دیکھی
کہا میں نے' اٹھیں میرے قدم کیا' تری حالت دگرگوں ڈر سے
ہے جو مری ڈھارس بندھاتا آرہا تھا'۔

وہ تب "اس قوم پر آزار سے یہ تغیّر رنگ میں رخسار
کے ہے'

نہ کر تو بیم سے یہ ترس تعبیر چلا چل' تیز گامی ہے تقاضا' سفر ہے
دور کا درپیش ہم کو۔"

یہ کہتے ہی قدم اس نے بڑھایا' مجھے ہمراہ لے کر ساتھ اپنے
ہوا پہلے طبق کی حد میں داخل' کئے تھا اس تری کا جو احاطہ۔
جہاں تک تھا تعلق کان کا' یاں سنائی کچھ نہیں دیتی تھی
فریاد سوا آہوں کے

جن سے مرتعش تھی صبائے جاودانی' شاخسانہ عقوبت کا نہیں
یہ بلکہ لاحق

ہوا تھا اضطراب انگیز اندوہ جو مردوں عورتوں بچوں کے ٹھٹ کو
مجھے تب رہبر مشفق مرا یہ' "نہیں پرسان روحیں کون ہیں یہ

تجھے یاں جو دکھائی دے رہی ہیں،
کرے تو پیشقدمی، قبل اس کے مری ہے آرزو، تجھ کو خبر ہو"
منزّہ ہیں خطا سے یہ، اگر کچھ جزا ان کا مقدر بھی ہوئی تھی نہیں اس
کے رہے ہیں اب سزاوار
وہ بپتسمہ نہیں ان کو ملا تھا ترا جو ایک رکنِ دیں اہم ہے۔
حیاتی چونکہ تھے ماقبلِ انجیل مطیعِ خاصِ یزداں وہ نہیں تھے۔
انہی میں ایک فرد، ہم بھی ہیں
یہ کوتاہی سہی ورنہ بنا پہ دگر عصیاں تو راندہ نہیں ہم۔
ہماری سوگواری کی فقط ہے یہ کیفیت ہیں نومیدی میں خواہاں ـ
سنا جب یہ تو میرے دل پہ ریلا کیا فرطِ الم نے کیونکہ میری
شناسا بھی کئی اک قابلِ قدر وہاں برزخ میں روحیں تھیں معلق ـ
بڑے پختہ عقیدہ کی طلب میں مقدس دین پر جس نے کئے ہیں
بھسم سارے گنہ، آغازیوں میں:
مجھے اتنا تو بتلا اے مکرّم بزرگ استاد بتلا "یہ مجھے، کبھی
کوئی یا وصف سے اپنے دگر یا کسی کے واں سے وارد ہے
کہ مابعد سعادت یاب فرمایا گیا ہو۔
تو وہ بین السطور اس گفتگو کا سمجھ کر مدعا مجھ سے جوابا:
ابھی نو وارد اس خطہ میں تھا میں کہ دیکھا ہم میں وہ تشریف لایا۔
سزا ریں ـ سر پہ اکلیل بہر و مند، شباہت پر ابوالاولیں کی۔
تھی کچھ اس کے پسر ہابیل کی دھن، تو کچھ مرد نکوخو نوح کی تھی۔
وہ موسیٰ شارعِ دینِ متیں کی، وہ قبلہ گاہ ابراہیم کی بھی"

رِ داؤد و اسرائیل کی بھی، پدر کی اِن کے سب پسران کی بھی

ھی وہ بے رقیہؔ جو ملی تھی، کڑے سنیاس سے، منجملہ دیگر

ی اصحاب کی دھن جن کو اس نے عطا فرمائی معراجِ سعادت۔

تھے واضح رہے ماقبلِ ایشاں نجاتِ رُوحِ انسانی نہیں تھی۔

ن میں وہ مگن، ٹھہرے نہیں ہم رہے گرم سفر رستہ پر آگے۔

ی تک اس بیاباں میں قدم راں — بجا موسوم اسے یونہی
کروں میں عجب ارواح سے گنجان آباد۔

ں اس سمت چوٹی سے تھے ہم دور مجھے آیا نظر شعلہ محیط اک
سیہ نصف الکرہ پہ چھپاتا۔

ی ہم کچھ قدم تھے فاصلہ پر، نہ لیکن اس قدر بھی بیش، جز وار
ملا آنکھوں پہ میری اک قبیلہ علو المرتبہ آباد اس جا۔

ہے تو جس کو اندازہ ہے سارے فن و حکمت کا، ہیں یہ
کون سب سے الگ جو فخر سے اِترا رہے ہیں؟

جواباً وہ: "تمہارا عالم فرق کرے وہ بازگشت ارسال ان کے
ئے نامِ نامی کی، سرِ عرشش حصولِ مہر کی ضامن کہ جس سے
انہیں ممتاز حیثیت ملی ہے!"

ے کانوں میں اک آواز آئی: سلام اس شاعرِ عالی گہر کو،
ی کچھ دیر جو رخصت ہوا تھا، پلٹ کر آ گیا اس کا ہیولیٰ۔

دا خاموش یہ جونہی ہوئی تو نظر آئیں ہماری سمت بڑھتیں
مجھے دیدہ دمیدہ ہستیں چار، خوشی یا غم کی کیفیت سے
بے لاگ۔

مرا استادِ مشفق تب یہ گویا: "اسے تو دیکھ جس کے ہاتھ میں ہے
وہ گُرزاں نیمچہ، تینوں سے آگے رواں، وہ محترم صاحب ہے ان کا
یہی ہو مرہے، سب اہلِ سخن میں گرامی تر۔ نلاکس دوسرا
ہے ۔ وہ
جس کی ہجو گوئی منفردیقتی ہے ناسو تیسرا، آخریں لوکن۔
ہیں یہ خود چونکہ حامل اس لقب کے: اسی باعث بیک آواز
کی ہے مجھے صاحب سلامت'
خیر مقدم مرا اعزاز سے کرتے ہیں ۔ بے شک یہ اعلیٰ پایہ
کے اہلِ نظر ہیں۔"
یہ دیکھا متحد رخشاں دبستاں اب اس کا، شہر یار،
شہرہ آفاق
وقیع احسن حماسہ کا، وہ طیراں سخن سنجوں پہ بالا مثلِ شاہیں۔
باہم وہ کہہ چکے جب گفتگو کچھ، توجہ میری جانب کر کے
مبذول
تلطّف سے بلایا پاس مجھ کو ۔ کیا استاد نے اس پر تبسم۔
یہی کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ انہوں نے عزت افزائی
مری کی۔
کیا شامل مجھے زمرے میں اپنے ششم میں اس گروہ
کاملاں میں۔
ہم اس مہتابہ رخشاں سے آگے روانہ ہو گئے کرتے
ہوئے بات

تھے جو موضوع بہر گفتگو تب مناسب ہاں انہیں ناگفتہ لیکن
راب چھوڑیں مناسب تر رہے گا۔ ہم آئے ایک عالی
وژر کے نیچے
حصار اس کا بنائیں سات دفعہ فصیلیں آسماں بوس اور چوگرد
ئے محفوظ تر اک جوئے خوش آب ۔ ہم ایسے پار اترے
جس طرح وہ
وئی خشکی کا ٹکڑا ہو، پھر آگے گزر کر سات اونچے پھاٹکوں سے
یں ان فرزانگاں کے ساتھ داخل، ہم اک وادی میں آ نکلے
جہاں پر طراوت بخش سبزے کا سماں تھا.
وہاں آباد لوگ اس شان کے تھے، شہانہ جو بہر سو اپنی
نظریں بڑی آہستگی سے ڈالتے تھے.
یاں ان کے بشروں سے وجاہت بڑے کم گو مگر ان کی ہر
اک بات بڑی ہی دلنشیں شکر شکن تھی.
ٹے ہم اک طرف، ایسی جگہ جو فراخ و روشن و بالا تھی ایسی
کی تھا ہر اک واضح نظر میں ۔ ہرے میدان مینائی میں مجھ پہ
ی ہی بے تکلف آشکارا ہوئیں روحیں عظیم ایسی کہ جن کے
نظارے سے بڑھائیں خود نظریں۔

الکتورہ۔ اٹلس کی بیٹی

الکترورہ وہاں جمگھٹ میں دیکھی، کئی وہ جن میں ہکٹر
کی بحری
مجھے پہچان تھی، انکائس کا پسر وہ پارسا، چشم عقابی سے
قیصر بھی حاضر تھا سراپا

چہار آئینہ میں نزدِ کمیلہ وہیں موجود پن تھیسیلیا بھی،

ادھر پاس اپنی بیٹی لوینہ کے نشستہ شاہ کہنہ سال لطنس،

اسی جا اس بروٹس کو بھی دیکھا تعاقب میں برابر جس کے
ترکن،

وہیں لکروشیہ اور جولیا سنگ وہیں کیٹو کی بیوی مرشیہ تھی۔

جولیا۔ جولیس سیزر کی بیٹی
پامپے کی زوجہ

وہیں کرنیلیا تھی، دور ہٹ کر وہیں تنہا صلاح الدین۔ جرار!

نظر دوڑائی اور اوپر تو میں نے اخوند ابنوہِ
دانایاں کا پایا،

(ارسطو) درمیاں تشریف فرما حکیمانِ ذکی کے دائرے میں،

ارسطاغیر TAGIRITE

سب اس کی مدح میں رطب اللساں تھے، سرِ تسلیم خم
عزت سے آگے

وہیں سقراط و افلاطون دونوں مدارج میں بہت نزدیک
اس کے،

وہیں دیموقریطس جس کو تخلیق جہاں کی از روئے ذرات
سوجھی

ہراقلیطس دیوجانس کے ہمراہ، پھر امپاڈوکلیز و انزاغورث،

HERACLITUS
EMPEDOCLES /
ANAXAGORAS

وہیں فرزانہ تھالیس اور زینو دیوسقرائد جس کو آگہی تھی بہت
قدرت کے کہنہ چیستاں کی،

DIOSCORIDE

وہیں پر آرفس کو میں نے پایا، لنس، ٹلی، سنیکا صاحب اخلاق
ہپوکریٹس و جالینوس بھی واں،

THALES - LINUS
TULLY - SENECA

پھر اقلیدس بھی بطلیموس بھی تھے وہیں بوسینا، ابن رشد موجود۔

ابن سینا: وفات ۱۰۵۰
ابن رشد: وفات ۱۱۹۸

گر تحصیلِ حاصل کل کی تفصیل کہ اس مضموں کی وسعت
کے لئے تو

رے الفاظ یکسر تنگنائے، بیاں سب واقعہ ہو غیر ممکن
بٹے دو ٹکڑیوں میں چھ مصاحب، مجھے چلتا ہے لے کر اور رستے
مرا فرزانہ رہبر اک فضائے سکوں پرور سے اس آب وہوا میں
جسے جھکڑ ہمیشہ ادھیڑتے ہیں اور اس حصہ میں آجاتا ہوں۔ جس میں
رمق تک بھی نہیں ہے روشنی کی. (۹۳)

○

کینٹو (۵)

طاس زبریں — دوسرا طبق

تلخیص :۔ دانتے پھاٹک پر جہنمی قاضی مینا س سے دوچار ہوتا ہے، جو تنبیہہً جواب طلبی کرتا ہے کہ وہ ان منطقوں میں کیسے گھس آیا ہے. اسی جگہ شاعر نفس امّارہ کے ماروں کا حشر مشاہدہ کرتا ہے. تیرہ و تار فضا میں طوفانی جھکڑ جنہیں بے تحاشہ ادھر سے ادھر لئے پھرتے ہیں.

○

تلے میں اس طرح پہلے طبق سے اب اترا دوسرے میں،
رقبہ اندک

اگرچہ نسبتاً بسیار اندوہ، کراہیں اور آہیں درد انگیز
نکالے اپنی بتیسی کھڑا تھا وہاں میناس، اُف مکروہ چہرہ

کنٹھ، اس کا محاسب آئے جو بھی، کرے میزانِ عصیاں اور فتویٰ

سزا کاٹے کر اسفل میں پٹخ ڈے پیٹ ڈے کے گرد اگر د اس کو،
ہو جب پیش ایک روحِ بد قوارہ، کرے ہر اعتراف اور سخت قاضی

گناہوں سے یہ اندازہ لگائے ٹھکانہ کس جگہ دوزخ کے اندر
مناسب سرزدہ تقصیر کا ہے،

پھر اپنی دُم میں خود اُسکو لپیٹے اسی حد تک جہاں کے واسطے وہ
اُترنے کے لئے ماخوذ ٹھہرے.

سدا اک ان گنت ٹھٹ سامنے ہے، اور اپنی بار پر پیشی ہر اک کی۔

سنائے اور سنے اپنا مقدر، بسمتِ اسفل افگندہ وہاں سے
جو اس کا زاویہ ہو ہاویہ میں.

"اٹھائے منہ گھسا آتا ہے کیسا، بے تو اس الم خانہ
میں ۔ مینا س

سب اپنا کاروبار ہول تج کے یہ چلایا مجھے دیکھا جو آتا.
یہاں آیا ہے کس حیلے سے بتلا، خبردار اس کشادہ رہگذر پر
نہ ایسا بھولنا یہ کاٹ کھائے."

مرا رہبر لسے: "بنکار مت یوں، مزاحم آنہ اس کے راستہ میں،
قضا تفویض جو فرما چکی ہے یہ ہے اک امرِ تقدیری، سو طے ہے،
جہاں ہم امرِ قوۃ اور قضا ہوں، خموشی ہی بھلی ۔ بس اور

مت پوچھ،

سنائی دے رہے تھے صاف شیون جگر پاش، اب
وہاں میں آ گیا تھا۔

دہائی پر دہائی کی پکاریں مرے کانوں کے پردے پھاڑتی تھیں۔
عجب گوشہ میں آوارد ہوا تھا جہاں بے صورت ایسی روشنی تھی۔
فغاں کی دھونکنی ہلکم مچائے تلاطم جیسے اک ساگر کا۔ جس کو اُدھ کر
چھیڑ ڈالیں آندھیاں تیز۔

بڑے ہی اضطرابانہ غضب سے جہنم کے وہ طوفانی بگولے
دھکیلے جائیں ان روحوں کو آگے، گھمائیں پھر بصد ایذا رسانی
پٹخ دیں بحرِ ظلمت میں۔

مگر جب، ابھی آتے نہ تھے مہلک جھپٹ میں، وہاں پیہم پکار
ان کی بپا ہو۔

کراہیں آہیں اور واہی تباہی خلافِ قوتِ احسن — سرِ عرش۔

کھلا مجھ پر کہ یہ سنگیں عقوبت تھا اجر اُن عاصیانِ بوالہوس کا
خرد نفسانیت بانو تھی جن کی — زمستاں کی ہو جب فرمانروائی
تو جیسے ابلقہ میناؤں کے غول کریں طیران بال و پر افق پار /
لئے پھرتے تھے اُن اعیانِ بد کو وہ تند و تیز اذیت ناک جھکڑ
انہیں یوں ریلتے تھے تحت و بالا، کبھی اس رُخ، کبھی اس۔
کوئی تدبیر
نہ تھی آرام کی بہرِ تسلی، نہ اس کی ہی چلن پڑ جائے مدھم۔
فلک پر دور تک پھیلائے ڈاریں رواں سارسوں کے قافلے ہوں

اڑاتے جس طرح پُرسوز تانیں ۔ نظر آئیں مجھے ارواح ساری
رواں، زار و قطار اس طرح گریاں بسرعت اپنے انجامِ زبوں کو
تو میں: "یہ کون ہیں جن پر اتالیق سمومِ تیرہ کی درّہ زنی ہے؟"
جواباً وہ: "یہ استفسار ان کا، انہی میں ہے، کئی ہونٹوں پہ چرچا
تھا سلطانہ کی حیثیت سے جس کا، وہ حرّافہ، بڑی ہی بے حیا تھی
کیا علت میں عیاشی کی اس نے روا اجرائے فرمانِ شہی سے
پسندِ خاطری کو تاکہ الزام دھلے وہ مرتکب جس کی ہوئی تھی۔
اسوری ملکہ — سمیرآمس ہے یہ، حسبِ روایت ہوئی جب جانشیں تونائنس کی
یہ منکوحہ بنی۔ زیرِ تسلط رہا اس کے علاقہ وہ جہاں اب عملداری
صلاح الدین کی ہے۔
پھر آگے وہ جنونِ عاشقی میں خود اپنے ہاتھ سے لی جان اپنی
دیا اس طرح جس نے سائکِس کی مری مٹی کو داغِ بے وفائی۔
عقب میں ہے قلوپطرہ وہ مشہور مہارانی کہ رسوائی بہت تھی"۔
ہوا پھر واں مجھے دیدارِ ہیلین، وہی جس کی بدولت
مدتوں تک
بارہنِ خرابی اک زمانہ۔ عظیم ایکلیز، واں، بہرِ محبت
نبرد سے تا دمِ آخر لڑا جو۔ وہیں پارس کو دیکھا، اور ترستان،
پھر ان کے ماسوا دکھلائے اس نے ہزار اِک اور ناموں سے
بتائے
محبت روگ جن کی زیست کا تھا

اتالیق خرد ور سے سنی جب یہ ہیں داستانِ پاستاں، ان
علیق ایام کی، ایک ایک بانو اور اک اک سورما کی، تو مرا دل
بھر آیا فرطِ غم سے، ذہن ماؤف اچنبھے سے ہوا تو اسطرح ہیں
"مغنی، جی میں ہے ان سے کروں بات چلے آتے ہیں
دو باہوں میں باہیں
جوڑ لے، دھان پان ایسے اڑا کر لئے بادِ صبا آتی ہو جیسے۔
وہ یوں: رکھ دھیان جب نزدیک آئیں، بنامِ عشق ـــ آوارہ
انہیں جو
لئے پھرتا ہے ـــ ان سے التجا کر، وہ آجائیں گے اور صحبت
رہے گی۔
ہمارے پاس انہیں لائی جھلاتی صبا جو نہی تو ہیں ایسے سخن سار:
اری او خستہ روحو پاس آؤ، نہ ہو گر کوئی نکتہ چین، اپنا
سناؤ کچھ ہمیں حالِ دلِ زار۔"
اک الھڑ ہوک سے ہو کر مگن، پنکھ کھلے، مضبوط، پھیلائے
ہوئے جب
ہوا کو صرف اپنی دھن کے بوتے چلی جاتی ہوں جیسے چیرتی سی
کہ سند رگھونسلوں میں فاختائیں کریں بسرام، یوں اس صف
سے نکلیں ـــ
جہاں تھی خاص دیدہ باز دیدو ـــ وہ اس مسموم صرصر میں ڈویدہ۔
اچانک ان کی ہمدردی میں میرے لبوں پر جو پکار آئی، وہ ان پر
اثر انداز کچھ ایسی ہوئی تھی۔

"یہ آمد اے حلیم و نیک مخلوق گزر کر اس ملاگیری فضا سے
ہمارے پاس ۔ صادق قول ہم پہ
بنا کر دند خوش رسمے بدنیا بخاک و خون غلطیدن ۔ اگر تو ہے اک
غمخوار تو مولی وہ سب کا ۔
ہمیں بھی اس پہ ہے ایمان پختہ ۔ ہماری، تیرے حق میں
اس دعا کو
قبولیت عطا فرمائے، تو نے ہمارے حال پہ یہ ترس کھایا ۔
تجھے سننا ہے جو ہم سے بصد شوق، اگر کہنا ہے کچھ فرما خوشی سے
سنیں گے، بات چیت اس پر کریں گے، ہوا جب تک ہے
بند ایسے سمے سہی ۔
علاقہ، جو جنم بھومی ہے میرا، اسی ساحل پہ واقع ہے جہاں پو
اترتا ہے سمندر میں سکوں سے معاون ندیوں کو ساتھ لے کر ۔
محبت جو کرے گھر سادہ دل میں، اسیر اس نے بیک
ساعت بنایا
اُسے دلدارِ خوش اندام کا ۔ پھر کیا جس سے مجھے محروم ایسی
شقاوت سے کہ خوں روتی ہوں اب تک
محبت ۔ کر نہیں سکتا کوئی رد، وہ محبوب اس اداسے پاس آیا،
کیا وہ سحر، اس کے بعد میری خوشی تھی اس کی خوشنودی کا حاصل
یہ جیسے دیکھتا ہے تو نہیں وہ جدا دم بھر کو مجھ سے آج بھی ہو ۔
ہمیں اک موت تک لائی محبت
سقر ہو مستقر جس نے کیا تھا ہمارا جام ہستی پارا پارا ۔"

اصل لفظ سقر کیلئے متن میں
CAINA قاتلوں کا ٹھکانہ

سنی جب ان کی بپتا دکھ بھری تو زمیں میں دھنس گئیں میری نگاہیں،
رہیں واں دیر تک اتنی
مغنی پکارا: کیسا استغراق ہے یہ؟ افسردہ میں جواباً: ہائے کتنے
یہ خوش اندیش و سادہ آرزو تھے، اگر پہنچے کس انجام حزیں کو۔"
رجوع ان کی طرف ہو کر مخاطب سخن میں نے کیا اور ابتدا یوں:
"فرانسکہ، ماٰل ہمگیں یہ کہ دل آٹھ آٹھ آنسو روتے میرا،
وہ ترس آتا ہے، وہ ہوتا ہے افسوس۔ مگر مجھ کو بتا اس
میٹھی میٹھی
کراہوں کے زمانہ میں ہوا تھا یہ کیوں کر اور کیسے جب محبت
کو مفرما ہوئی
اور تجھ پہ احوال کھلا تھا بے ٹھکانہ خواہشوں کا۔
جواباً وہ یہ: درماندگی میں غضب ہے یادِ عہدِ شادمانی!
دلِ محزوں پہ چل جاتی ہیں چھریاں — بخوبی اس سے آگاہی ہے تیرے
اتالیقِ فرد ور کو — مگر تو مصر اس شوق سے جو اس طرح ہے
تجھے بھی اصل ہو معلوم غایت ہوا تھا رونما جو واقعہ، کب
محبت نے حقیقی روپ دھارا۔ بیاں لیکن کروں گی کوئی جیسے زبانِ
اشک سے قصہ سنائے۔
ہوا یوں، ایک دن ہم بہرِ تفریح کہانی لانسلٹ کی پڑھ رہے تھے
ہوا کیسے اسیرِ دامِ الفت۔
ہمیں خلوت تھی، کچھ دھڑکا نہیں تھا، یہ کیفیت کہ اکثر پڑھتے پڑھتے
ہماری باہم آنکھیں چار ہوتیں، اچانک رنگ اڑ جاتا اسی دم

فرانسکہ، رومینہ کے نواب گیڈوڈو پولینٹا کی دختر، رمینی کے نواب کے لڑکے لن سیاٹو سے بیاہی گئی جو حد درجہ بدشکل تھا اس کا معاشقہ دیلو سے ہو گیا جو بھائی کے برعکس بڑا شکیل تھا پاداش میں دونوں قتل کر دیئے گئے۔

روایت میں ہے کہ انہیں اکٹھا دفن کیا گیا تھا، تین سو سال بعد قبر کھودی گئی تو ان کے ریشمی لباس بدستور تھے۔

LANCELOT: گول میز کا ایک بانکا، جنزوہ کا عاشق، مشہور رومانوی کردار

تغیّر سے ہمارے گال کا بھی - پھر آخر ایک ایسے مرحلے پر اکیلے میں
بہک جانا ہمارا۔
تھا ذکر اس مسکراہٹ کا، عجب چاہ تھی جس اک مسکراہٹ میں،
کہ اس نے
محبت میں جو دیوانہ ہوا تھا بڑا پُرشوق اک بوسہ کیا ثبت۔
تب اس نے بھی، نہیں مجھ سے کبھی جو جدا ہوگا، لرزتے کپکپاتے
مرے لب، اضطرابانہ، لئے چوم۔
مصنف اور وہ تصنیف دونوں محبت کی گواہی بن گئے تھے۔
پھر اس کے بعد اس دن اور باقی ورق سب جیسے کورے ہو گئے تھے
بیاں اک روح یوں کرتی تھی، دیگر بڑی زاری سے مصروفِ فغاں تھی۔
ہوا میں دل زدہ صدمے سے بے ہوش، کوئی سکرات کے عالم میں
جیسے
زمیں پہ آرہا اک لاش سا میں۔

○

کینٹو (٦)

زبریں طاس —— تیسرا طبق

تلخیص: ہوش آیا تو شاعر تیسرے طبق میں تھے' یہ بسیار خور پیٹ بھابڑوں کا تعزیہ خانہ ہے۔ اذیتیں وہاں کی ہیں — تگرگ و ژالہ برف اور بدرنگ پانی کی بوچھاڑ میں لت پت لوٹنا، بن مانس

سربرس سہ نرخری حلق سے ان پر غراتا اوران کا مثلہ کرتا رہتا ہے.
وہاں ایک شخص ملتا ہے کہ جیتا تھا تو سیاکو اس کا نام تھا. ہمارے
ہاں کا نیچ کھاؤ. وہ ہمارے شاعر کو فلورنس کے سیاسی انتشار سے
مطلع کرتا ہے. دانتے اپنے رہبر سے ایک سوال پوچھتا ہے اور
خاطر خواہ جواب پاتا ہے. بعد ازاں یہاں سے آگے وہ چوتھے طبق
کو چل پڑتے ہیں.

بجا میرے حواس آتے، ہوئے تھے ذرا پہلے جو مختل اپنے ہم اصل
ہیولوں سے بوجہ غمگساری، غم ایسا مجھ پہ حاوی ہو گیا تھا.
تو میرے گرد تھیں صاف ابتلائیں نئی اور مبتلا روحیں نئی، میں
کسی رخ، خواہ ہو کوئی سا، اپنی نظر ڈالوں، جھکاؤں اور پھیروں.
طبق یہ تیسرا تھا، میں جہاں تھا مسلسل ایک بوچھاڑوں کا عالم
نحوست خیز، سنگیں، زمہریری، سداطورا اور تیور بے تغیّر،
بڑی پھوئیاں، بدرنگ پانی، گھنے اولے، گھنیری نیم شب کی
فضا میں بحر ظلمت کو ندی سے بہے جاتے تھے، اٹ جاتا تھا خطّہ
تعفن سے یہ جس پر سیل پھیلے
وہاں بن مانس آشفتہ وسفاک، عجیب الخلقت اک کتے
کی مانند
سربرس، بانس جیسے پھر گیا تھا تراہے نرخرے میں، بھونکتا تھا
اس آلودہ ہجوم اسفلیں پر.
دہکتی ارغوانی آنکھیں اسکی، چیکٹ داڑھی کلوٹی، پیٹ مٹکا

اور اس کے ہاتھ تھے چنگاں جن سے وہ روحوں کو ادھیڑے ڈالتا ہے
اتارے کھال بوٹی بوٹی اعضا۔

وہاں غراہٹیں پھیلی تھیں جیسے کتو رسے سخت طوفانی جھڑی میں
کریں پہلو بدل کر اوٹ اپنے دگر پہلو پہ اور ہوں لوٹ پوٹ۔ اف
وہ اک بدبخت بے ایمان ٹولہ۔ سربرس دیو قامت کرم وحشی،
ہمیں جب اس نے گھورا، کر دیئے وا جبارڑے اور نکوسے کھاگ
اپنے، ہر اک عضو اس کا لرزاں (تا ڑ میں تھا)
زمیں پر اس نے اپنی ہر ہتھیلی رکھی پھیلائی اور مٹی سے
بھر لی

اٹھائی اور وہ ساری انڈھیلی پھر اس کے گھاؤ گھپ گلے کے اندر،
بس اک کتے کی صورت کلبلاتا جو راتب کیلئے مالک پہ بھونکے،
ملے ہڈی تو سارا تاؤ جھاؤ کرے کا فور اپنا اور لپکے ہڑپ کرنے
ندیدے پن سے تنہا۔
گھناؤنے گال لٹکے نیچے عفریت سربرس کے، کئے دیتا تھا جو سُن
وہاں روحوں کو چنگھاڑوں سے اپنی کہ وہ ہلکان بہرے پن کو
بیکار۔
ہیولے سیئی سیلِ رواں سے نچپے جاتے تھے اوندھے
پاؤں دھرتے
ٹھوس
چلے جاتے تھے پھو کل پہ ہم ایسے کہ وہ محسوس نگر ہو رہے تھے۔
وہ سب پسرے پڑے تھے چت زمیں پہ، مگر جھٹ ایک
اٹھ بیٹھا اُچھل کر،

ہیں دیکھا نکلتے پاس سے تو وہ چلایا: "ارے تو جو یہ ناری
ہیولوں میں گزر کر جا رہا ہے مجھے پہچان لے کر آشنا ہوں،
کہ تیرے تن کا ڈھانچہ بن چکا تھا کہیں پہلے کہ تن ٹوٹا تھا میرا۔"
جواباً میں: "یہ رنجوری کا عالم تجھے کچھ مسخ ایسا کر گیا ہے
کہ میرے حافظے سے شکل تیری ہے محو ایسی کبھی دیکھا نہیں کو
مگر بتلا مجھے تو کون ہے جو مقیّد ہے الم خانہ میں ایسے
پھر اتنی تفتگی میں، کوفت پرور کوئی بد تر ہو اس سے ۔ جی
نہ اوبھے۔"
وہ پاسخ میں مرے لفظوں کے لیسے ہوا گویا: "ترا شہر،
اس کے اندر
حسد انبار در انبار تا بام کہ پیمانے کناروں سے چھلک جائیں،
مرا ایام خوش تر میں تھا مسکن، مجھے کہتے تھے تم ہم شہر سیاکو
ہوا ماخوذ پیٹو پن کے باعث، زبوں وہ عیب، بارش میں یہاں یہ
تجھے جیسا دکھائی دے رہا ہے تھکن سے میں شکستہ ہو چکا
ہوں۔
نہیں اس قہر میں بس مبتلا میں کہ ہم یوں جرم کی پاداش میں سب
ہیں مستوجب یہ ہم پر سرزنش کے"
نہیں کی اور بات اس نے تو میرا خطاب اس سے
یہ دوبارا: "سیاکو
تری سنگین سزا نے مجھ کو محزوں کیا اتنا کہ نم دیدہ ہوا ہوں۔
بتا لیکن اگر ہے علم تجھ کو کہ اس شہر نفاق آویختہ میں

اطالوی میں بمعنی مشہور یاں استعارا (پیٹ پھاڑے سے)

فلورنس کہ بیانچی و نیری

ان اہلِ شہر کا کیا حشر ہو گا؟

وہاں آیا کوئی بے لاگ بھی ہے، سبب بھی کہہ، کہاں سے مفسدانہ
یہ ناچاقی کا ریلہ یوں بڑھا ہے؟"

وہ تب: اس چپقلش میں مدتوں تک یہ خونریزی کریں گے
اور اکھڑ کر
بیابانی جماعت دوسری کو بہت پہنچا کے زک پسپا کرے گی ۔
مگر پھر تین قسمی گردشوں میں یہی طے ہے، زوال آئے گا اس پہ
دگر کو مستعار آئے گی اس کی مدد جو برسرِ ساحل مکیں ہے
اُسے یوں اقتدار آئے گا پھر ہاتھ۔
بہت مدت رہے گا اس کا ماتھا الگ اونچا، رکھے گی دوسری کو
بہت بھاری دباؤ میں ستم کش، وہ اس بارِ گراں پہ سر گراں سخت
دل آزردہ پریشاں انتہائی،
فقط، بے لاگ ہیں تعداد میں دو، مگر ہیں وہ نظر انداز یکسر،
تکبّر نے، حسد نے، حرص نے — یہ شرارے تین مہلک۔ سب کے
دل میں بڑی ہی تیز بھڑکائی ہے آتش"۔

قلق سے اسکی بھرائی جو آواز رکا وہ، تب سخن جاری مرا پھر:
"مجھے درکار معلومات تم سے ابھی کچھ اور ہیں، درخواست ہے، رکھ
سخن کا سلسلہ جاری بدستور فرنتا اور تغی یالیو کا بتلا، مناسب
طور پہ جو مستحق تھے۔
گیاکپو، اریگو، موسکا اور سبھی ان کا، بہت سے تھے ذہن جن کے
ہمیشہ سے بھلے کاموں پہ مائل مقیم! اے تو یہ بتلا وہ کہاں ہیں؟"

بیانچی، اس کا سربراہ اکون
کا باسی تھا جہاں جنگلات
کی بہتات ہے۔

دگر: نیری
مدد: چارلس ڈیلوز کی

مجھے ان کی خبر تک دے رسائی ۔ مری سر تیز خواہش پھر مجھے یہ
مسلسل گدگداتی ہے سنوں میں، ارم کا ستگیں شیریں مہیا ترے
لب کو ہے یا زہراب دوزخ!

جواب اس نے یہ سیدھا سا دیا تب "یہاں ہیں بشیتر روحیں سیہ کار
سیہ پاتال میں گاڑی گئیں جو کئی گہری بپاداشِ جرائم،
وہاں تک تو اگر اترا تو بے شک بچشم خود انہیں پھر دیکھ لیگا۔
مگر دنیا کے خوش ماحول میں جب پلٹ کر جائے تو کچھ
تذکرہ واں

مرا بھی کیجیو یہ التجا ہے ۔ نہ تجھ کو اور کچھ اب میں بتاؤں نہ دوں
اب میں تجھے کوئی جواب اور ۔
گڑی آنکھوں کو کن انکھیوں میں اس نے بدل ڈالا یہ کہہ
کر، اور مجھ پر
اچٹتی سی نظر ڈالی، دیا ڈال پھر اپنا سر اور اس کے ساتھ ہی وہ
گرا دھم سے ان اندھے ساتھیوں میں۔
تب ایسے رہنما میرا: "نہیں اب وہ اپنی کھاٹ سے اٹھے گا
جب تک
نہ پھونکے صور اسرافیل اپنا ۔ پھر آئیگی بڑی عظمت سے طاقت
مخالف ہے جو ان سب کی کہ بھیجے ہر اک کو اپنی گورِ غم زدہ میں ۔
کہ ہو کر گوشت اور ہیئت میں ملبوس بشارت پائیں سب وہ ۔
اپنے اپنے
عذاب دائمی کی ۔ گرنج ایسی ہو بشگافتہ مضبوط گنبد۔"

بڑے بوجھل قدم رکھتے ہوئے ہم، غلیظ ارواح و باراں کے گھناؤنے
تعفن خیز ملغوبے سے گزرے، اور اس دوران زیرِ بحث باہم
معاملے پہ رہا، گو سرسری ہی،
مرا ایسا تھا استفسار "حضرت! یہ ایذائیں، بھلا روزِ جزا پھر
اضافہ ان میں یا تقلیل وارد، کہ اب جیسی ہے وہ شدت بدستور؟
وہ تب: "اپنا صحیفہ کھول کر دیکھ، وضاحت سے ہے درج
اس میں، ہر اک شے
ہے جیسے بہتر افزائش میں کوشاں، تو پھر یہ بات بھی قابلِ فہم
کہ دیکھ پا سکے نہ تکمیلِ حقیقی کسی عنوان کر پائیں گے اپنی۔
ہے جو ماخوذ اس میں نسلِ کج رو، ہے جیسی کیفیت میں اب،
فزوں تر
قریب آئیگی ممکن جس قدر ہو۔" رہِ پر پیچ پر یوں گھوم کر ہم
چلے جاتے تھے، اور مبحث بہم تھا کہیں افزوں بیاں جو کر رہا ہوں؛
بالآخر اس جگہ آئے اتر کر جہاں سے زینہ داں پہنچے۔ پلوٹس
عدوئے جانستاں کو ہم نے پایا۔

کینٹو

(۷)

زیریں طاس —— چوتھا طبق

تلخیص: اس فصل میں دانتے چوتھے طبق کا منظر پیش کرتا ہے۔ جس کے دہانہ پر پلوٹس دربان ہے۔ بخیل و مسرف یہاں یکساں عذاب میں ہیں، باہم الجھتے ٹکراتے، بکتے بنکارتے ایک دوسرے پر بھاری پتھر ڈے مارتے ہیں۔ یہیں موقع پاکر ورجل بتاتا ہے تقدیر جو مال و زر عطا کرتی ہے کس قدر ہیچ ہے۔ مصنف پوچھتا ہے تقدیر ہے کیا، جس کا اتنا چرچا ہے۔ یہ مسئلہ حل ہوا۔ وہ پانچویں طبق میں اتر جاتے ہیں جہاں غیض و غضب کے پتلے جھیل ستیز فی کے گردابوں میں گرداں ہیں۔ اس جھیل کا لمبا چکر کاٹ کر وہ آخر ایک اونچے منارے کے سامنے جا نکلتے ہیں۔

O

غضب ہے اہرمن، او اہرمن، ہیں" گلا یوں پھاڑ کر چیخا پلوٹس
عجب لہجہ تھا گھگھیایا ہوا سا کہ چوکنا ہو پیش اندیشگی سے۔
مگر وہ مہرباں دانا نہیں ہو سراسیمہ کوئی بھی واقعہ ہو،
مجھے دیکر تسلّی یوں مخاطب، "زیاں ہو نہ اندیشہ، سمجھ لے
بچارے میں کہاں کس بل کہ تجھ کو پہاڑی سے اترنے دے نہ محفوظ"
پھر اس آماس لب کی سمت مڑ کر، وہ یوں چلایا" دھیرج
گرگِ ملعون!

تسلّی سے،

غصہ

تجھے بہتر سے تیرا اچھا تجھ کھائے، نہیں گھپ گھور تما کے
نیچ میں سے
گذرے مدعا اس کا، ہوا یہ وہاں سطے عالم علوی میں، جسوقت

ابلیس

متقرب قدسیٔ اعظم نے لاوا انڈھیلا تھا مکافاتِ فلک کا
گھمنڈی فاجراوں کے سر پہ۔
شکم کو بادباں کے کر دیا ہو غبارہ جس طرح بھر کر ہوا نے
پچک کر وہ گرے عرشہ پہ لیکن شکستہ ہو اگر مستول اچانک

ظالم

گرا وہ تیرو پی غولِ بیاباں دھڑام ایسے ہی دوزخ کی زمیں پہ۔
اتر کر اس طرح ہم آئے چوتھی بڑی ڈھالو کگر پر، تھی جو قائم
کنارِ شور پر یوں کل جہاں کے ٹنگے تھے سربسر آلام اس میں۔
مری توبہ خدائے عدلِ مطلق! کئے ہیں کس ذخیرے میں نئے دکھ،
نئے وگدے وہ سب انبار تو نے
یہاں جو میں نے دیکھے، اور اپنا یہ خمیازہ ہے کس کس معصیت کا؟

CHARYBDIS

تلاطم خیز گرداب قریدس — اٹھ کر اس میں جیسے

جانب سسلی بڑا گرداب

ٹوٹتے ہیں۔
تصادم سے بہم موجہ بہ موجہ، یہ شورہ پشت خیلِ بد قماش ال
جھپٹ کر ایسے بھنگڑا ڈالتا تھا۔
وہ اتنے، ہر کہیں سے جن کو میں نے یہاں پر بیش لاتعداد پایا۔

شور غوغا

مچا کر دندے، دونوں اس طرف سے ادھر کو رہلتے تھے بوجھ بھاری
لگا کر زور سارا چھاتیوں کا، پھر آپس میں وہ دھکم پیل ہوتی،
ہر اک فوراً انہیں واپس دھکیلے بے ہرزہ سرا، اور لوٹ کر پھر

یہ چلاتے ہوئے: "کس واسطے یوں جکڑ رکھا ہے تو نے اس قدر سخت؟"
جوابا وہ: "پٹختا ہے پرے کیوں تو؟" بجاتے اس طرح نفریں کی ڈفلی
یونہی بکتے ہوئے بلاّ حیاں وہ، وہاں اس ہاتھ سے اس ہاتھ جاتے
بھیانک دائرے کو پار کرتے، پہنچ جاتے تو پھر دونوں پلٹتے
اور آتے بیچ میں منجدھار کے تو وہی پھر تو تکار اور ہاتھا پائی۔
یہ منظر دیکھ کر آزردگی سے کہا میں نے: "بتا اے میرے رہبر
یہ بندے کون ہیں، یہ سر منڈے وہ جو بائیں ہاتھ پر اپنے ہیں
سارے جداگانہ کلیسا کے لئے تھے؟"

جواب اس کا یہ سیدھا: "ہاں یہ سارے حیاتِ دنیوی
میں مسخ ایسے
تھے ذہنی طور پر، برتی نہ دولت کسی محتاط ضبط و قاعدہ سے،
یہ خود ہذیان سے ہے آشکارا بکیدیگر جو جھک جھک کر
رہے ہیں،
ہر اک حلقہ کے پایاں آن کر یوں، جہاں پر مختلف کیفیتِ جرم
انہیں باہم ممیز کر رہی ہے۔
کلیسا سے ہوئے مخصوص جن کی نہ تھیں گیسو مزین چند یا میں
یہ بطریق اور پاپا دل پر ان کے طمع کی ہے مکمل حکمرانی"۔
کہا تب میں نے "ہونا چاہیئے پھر ضرور ان میں کچھ اپنے آشنا بھی
وہی، دامن تھے جن کے داغدار ان گناہوں کی نجس آلودگی سے"۔
جوابا وہ: "خیالِ خام ہے یہ، کیا تھا جس حیاتِ دوں نے ان کو
ذلیل اوّل، ہے وجہ روسیاہی

کچھ ایسی، جانی پہچانی بھی صورت نہیں پہچان کے قابل رہی ہے،
ابد تک مبتلا یہ وغدغہ میں، اٹھیں گے جب مزاروں سے توان کی
بھینچی ہوگی نہایت سخت مٹھی۔

وہی سب سرمنڈے، گیسو بریدہ — کہ دینا سو برا دینا تھا ان کا،
کہ رکھنا سو برا رکھنا تھا ان کا،

غلط بخشا، غلط رکھا بچاکر، اسی پاداش میں محروم ہیں یہ
جہانِ سعد پرور کی جزا سے۔

گرفتارانِ کشمکش وہ ایسے کہ چلّہ کا وظیفہ بھی نہ میرا ہو ان کی
رستگاری کا وسیلہ۔

مرے فرزند رکھ ملحوظ تو بھی، ہے کیسا عارضی، کیا رائیگاں، جو
متاع و مال فرمایا گیا ہے فقط تقدیر کے ہاتھوں میں تفویض،
جتن کیا کیا نہیں جس کے لئے یہ بنی آدم کیا کرتے ہیں لیکن
وہ سب سونا کہ نیچے چاند کے ہے، سوا وہ بھی کہ تھا پہلے
پڑے گا

کہیں کم گر مشقت مضمحل ان ہیولوں میں سکوں اک کا خریدے"
جوابًا اس طرح میں، میرے مرشد! ملے یہ آگہی بھی تجھ سے تقدیر
یہ ذکرِ خیر ابھی جس کا تھا، کیا ہے ؟ شکنجہ میں اسی کے چنگلوں کے
زمانے بھر کی سب آسائشیں ہیں۔"
وہ یوں: "اے بے بصر ذی روح لوگو! یہ کیسے جہل میں
تم مبتلا ہو!
سن اور یہ بات پلّے باندھ میری۔ وہ شے جو ماورائے درکِ احساس،

سماوات اس نے جب تخلیق فرمائے، انہیں یہ ساتھ استعداد بخشی
رہیں گرداں اپنے محوروں پر۔ بکدیگر کرے یوں عکس افشاں ضیا
ان کی مساواتی ہو تقسیم۔
اسی اک کلیہ پر پھر مقدر یہ فرمایا کہ ہیچوں حکمرانی ہو دنیا کی فروزاں
مورتوں پر
کہ دستِ غیب ان کا رہنما ہو۔ وہی تنظیم کاراں کا عموماً معین
ساعتوں میں زندگی کے
تہی از کار رفتہ حاملوں کو کرے تبدیل نسل بعد نسل، یکے
با خونِ دیگر
اور اس میں کسی کی ماہرانہ حکمتیں بھی نہ آڑے آسکیں قطعۂ
بنا بر
کھلے رازِ ولے کا یہ ناٹک — عروج اک قوم کا، نابود دیگر
ہمیں چوں واقعہ ہو — مایریڈ
مگر مخفی نگاہوں سے ہماری ہو جیسے گھاس میں دنبالۂ مار،
تمہاری انتہائی زیرکی کی نہ اس کے سامنے کچھ پیش جائے۔
کرے تخمینہ و تدبیر سارا وہ ورکِ پیش بینی سے، چلائے وہی
سب کاروبار اپنی ہی مشی کا۔
بزعمِ خود جسے ہم لوگ جانیں یہ سرزدہ ہے ہمیں سے یا محرک
سمجھ لیں قوتیں دیگر مساوی،
روادارِ توقف کب تغیر، مشیت نے کیا ہے تیز رفتار
کہ وارد پے بہ پے ہیں در تواتر نوازش ہا کے یوں میراث خواہاں۔

جیسا وہ چاہے

یہی وہ ہے جسے نفریں وہ بھی کہیں واجب ہے جن پر مدح اسکی۔
اسی کو متہم گردانتے ہیں، غلط اس کے کئے پر کوستے ہیں۔
مگر وہ سعد زا بے اعتنا ہے، ازل کی دوسری مخلوق کے ساتھ
رواں اپنے کرہ پر شادمانہ مگن اپنے بلاس اور راس میں ہے۔ — عیش و عشرت
ہم اپنی رہگذر پر اس جگہ ہیں، اترتے ہی یہاں دوچار ہونگے
کہیں سنگین تر جاں کندنی سے۔
ستارہ ہے زوال آثار ہر ایک، جب آئے تھے وہ اپنی
اوج پر تھا۔

ہمیں مانع توقف پر یہاں اور۔"
طبق کی تھاڑ اگلی ہم اترے، اک ابلتی باؤلی کے پاس پہنچے
جو اپنے منبع خراب گوں سے جھری میں بے تحاشہ بہہ رہی تھی۔
رگ سنگِ زغالی سے مکدر۔
سیاہی پانیوں کے ساتھ چلتے، ہوئے داخل دگر رستے سے نیچے۔
بتِرفی نام کی اک جھیل میں سے بیکدم پھیلتی تھی جو تئے تیرہ — STYGIAN
وہاں تل چاؤلی چٹیل چٹانوں کے دامن میں — لگا کر ٹکٹکی جو
کھڑے واں دیکھا پھیلے میں شر آلود رالف ننگا قبیلہ سامنے تھا،
نگاہوں سے عیاں تھی جلیشنا کی۔ نہیں وہ دست کوبی ہی میں مشغول
سر و سینہ و پا بھی پیٹتے تھے، وہ کھاگوں سے اڑائیں تکا بوٹی۔
ہوا گویا مرا وہ نیک مرشد" یہاں فرزند! روحیں
سامنے ہیں
یہ سب ان کی جو مغلوب الغضب ہیں۔ یہ امر بالیقیں بھی

جانی لے تو

فرو کش زیرِ آب انبوہ ہے اک، حباب انگیز آہیں کر رہی ہیں
تلاطم سطح کے اوپر بپا یہ، تلاطم جو دکھائی دے رہے ہیں،
جدھر کو بھی نظر تو ڈالتا ہے خلاب افشاں دہائی دے رہے ہیں۔
"فسردہ ہی بسر کی واں پہ سورج جہاں رکھتا تھا خوش کُن یاد تازہ،
مسرت بخش وہ، اب اپنے اندر لئے ایسا نجس مردار کھرا
ہیں ان گدلے ٹھکانوں میں فسردہ۔ نوائیں ماتمیں حلقوم سے وہ
کچھ ایسی غرغراتے ہیں، نہ لیکن کوئی بھی لفظ کہہ سکتے ہیں واضح۔"
کیا وہ راستہ یوں گھوم کر طے، بسیط اک بقعۂ گستردہ مابین
وہ بنجر پشتہ اور گندے تلاؤ کے اس منجدھار میں۔ نیچے کو ہم نے
نظر دوڑائی اس دوران ان پر، ہڑپ کرتے تھے جو جو کیچ جو نکیں۔
نہ ہم نے دم لیا رستہ میں دم بھر اور اترے نچلے تختہ پر طبق کے۔

کینٹو (۸)

زریں طاس — پانچواں طبق

○

تلخیص: منارے سے اشارہ پاتے ہی جھیل کا مانجھی ۔ فلگاس۔ ورجل اور دانتے کو تیزی سے پار لے جاتا ہے۔ منجدھار میں فلپو ار جنٹی ۔ طیشنا کی کی علامت جانیئے ۔ ان کے پیچھے پڑ جاتا ہے ۔ اس کے تاؤ بھاؤ اور کشٹ کلپ کا واقعہ ۔ آخر وہ ڈس نامی شہر جا پہنچتے ہیں۔ داخلہ میں کئی عفریت مزاحم ہوتے

ہیں، انہیں باہر دھکیل کر بڑا پھاٹک بند کر لیتے ہیں۔

تسلسل میں اسی موضوع کے میں بیاں کرتا ہوں، اس برج فلک بوس
کے پایہ پر ابھی پہنچے نہ تھے ہم کہ آنکھیں جا چڑھیں رفعت پہ اسکی "
جہاں فانوس دو آویختہ تھے، دکھائی دے رہا تھا تیسرا دور
جوابی جو اشارے دے رہا تھا۔ وہ اتنے فاصلے پر تھا کہ محسوس
ہوا کرتی تھی آنکھ اس کی کرن کو۔ مڑا اور عالم دانش فزوں سے
کیا دریافت میں نے اس طرح "کہہ یہ سب کیا ہے، جوابی دوسری جو
لگی ہے روشنی تو کس غرض سے، کرشمہ کون کاریگر کا ہے یہ؟"
جواباً وہ: "غلابی پانیوں میں، ابھی جیسا بھی آگے ماجرا ہے،
کھلے گا تیری نظروں پر، نہاں گر نہ دلدل زائیدہ شب دو در رکھے۔"
نکل کر زہ سے پر افشاں سبک رو نہ اپنی رہ پہ یوں ناوک ہوا ہو
فضا میں، جیسے ڈونگی اک سر موج دکھائی دی ہماری سمت آتی
جسے صرف ایک مانجھی کھے رہا تھا۔
جو یہ چلا کے بولا: "آن پہنچی ہے کیا بد روح تو؟"
فلگاس، فلگاس" مرا مرشد جواباً: "رائیگاں ہی مچاتے غل تو اب کے
نہ ہم پر ذرا بھی زور تیرا چل سکے گا، کریں گے پار جب یہ دلدلیا کنڈ"
اٹھائے زک کوئی اور تلملائے۔ غضب کی میں یوں بل کھاکے فلگاس
بجھا، اندر ہی اندر تلملا کے۔ چڑھا کشتی پہ بڑھ کر میرا رہبر،
مجھے بھی پاس پہلو میں بلایا"
سوار البتہ جب اس پر ہوا میں تو کشتی بوجھ سے کچھ ڈگمگائی۔

فلگاس: صنمیات میں اپالو کے ہاتھوں، اپنی بیٹی کی بے حرمتی کا بدلہ لینے کیلئے اس نے اسکے مندر کو آگ لگا دی جس نے اسے اس پاداش میں زندان طرطرس میں ڈال دیا۔

ہم اس میں آ گئے دونوں تو فوراً بشدت چیرتی موجوں کو گہرا
ہوئی ایسی روانہ کہنہ کشتی، نہ یوں تیری ہو لے کر دوسروں کو۔

جب اس مردار کھاڑی پر رواں ہم چلے جاتے تھے،
اِک گارے میں لت پت

مرے پاس آ کے بولا: "کون ہے تو کہ یاں آیا معیّن وقت
سے قبل؟

بپاسخ میں: "چل آیا بھی اگر میں تو ٹھہروں گا نہیں، تو کون لیکن
کہ بھونڈی روح کا ایسا ہوا ہے؟ "وہی ہوں جو نظر آتا ہوں تجھ کو
یہ مصروفِ فغاں میں —" وہ جواباً" اسے میں اس طرح: "محبوس الم میں
رہے گی دائماً" تو روحِ مغضوب — بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم"۔

بڑھا کر ہاتھ وہ ڈونگی پہ جھپٹا، تھا چوکنّا مگر استادِ باہوش،
پرے اس کو دھکیلا: "ہو دفان اِن سگانِ دیگراں کے ساتھ زیریں"،
پھر اس نے کیں حمائل اپنی باہیں مری گردن میں، چوما گال، بولا:
بجا اے اس پہ کی نفریں تو نے، مبارک کوکھ وہ تو جس میں ٹھہرا!
بوجہ کبر بدنامِ زمانہ تھا اب اس کے حافظہ کو اپنا پر تو کوئی نیکی
عطا کرتی نہیں ہے،

لہٰذا ہے یہاں برہم ہیولیٰ۔ وہاں بالا ہزاروں تاجور، جو
بزعمِ خود عظیم المرتبت ہیں، یہاں لوٹیں گے خنزیروں کی مانند
وہ دلدل میں، بڑی مذموم یادیں چلے آئیں گے پیچھے چھوڑ اپنی۔"
تو میں: "استاد! جی کرتا ہے میرا مگر پہلے کہ ہم یہ جھیل

چھوڑیں

اسے ان تلچھٹوں میں غرق دیکھوں"۔ وہ تب: "کھلنے دے اپنی

آنکھ پر تو

ذرا ساحل کو، بر آئیگی تیری تمنا، جو بجا ہے مطمئن ہو"۔

مسا اسکی ہوئی تھی بات ابھی ختم کہ اس (بحری بلا) پر کچھ قبیلے

خلاب آلودہ، یوں شدت سے جھپٹے کہ اس امداد پر اب تک خدا کا،

بجا لاتا ہوں میں صد شکر — الحمد!

دہاڑے سب: "فلیپو ارجنٹی پر"۔ ہوا وہ دق فلورنسی ہراساں

کھسوٹا خود کو اسکی چنگلوں سے۔ اسے ہم نے وہیں چھوڑا، نہ اس کا

مزید اب تذکرہ منظور مجھ کو۔

مرا اچھا اتالیق: "اب کے فرزند نواحِ شہرِ ڈس نامی

میں تو ہے۔

قوی جبثا، سڑی باشی یہاں کے"۔ تو میں: "مینار اب بھی محترم وہ

نظر وادی میں صاف آتے ہیں مجھ کو، درخشاں ارغواں، کہتے

کہ ڈھل کر

برآمد آگ سے جیسے ہوتے ہوں"۔ وہ بولا: "ہے امر اگنی کہ اندر

بھڑک کر یوں بھبھوکا کر رہی ہے فروغِ شعلہ سے آتش بداماں،

نظر آتی ہے جو دوزخ میں زیریں"۔

ہم آنکلے تھے گہرے کھادروں میں، تھا اس خندق کا

یہ خطہ بڑا سخت۔

فصیلیں یوں نظر آتی تھیں جیسے انہیں فولاد سے ڈھالا گیا ہو۔

فلیپو ارجنٹی، اپنے وقت کا رستم تھا بڑا ہی بدراہ اور قہری

DIS

لگایا اک بڑا چکر طویل اور اب کی ایسی جگہ پر آن پہنچے
جہاں تندی سے چلایا وہ مانجھی :
" اتر جاؤ، یہ اندر کی سڑک ہے" چڑھے ان پھاٹکوں پر
میں نے دیکھے
ہزار اک سے زیادہ، جو فلک سے کبھی عہدِ کہن میں ٹپکے ہوں گے۔
چڑھا کر ناک بھوں وہ یہ پکارے: "ہے یہ مردود کیسا، مردہ گاں کی
اس آبادی میں کیوں کر آن پہنچا، اجل کا ذائقہ چکھنے سے پہلے!
کیا فطینِ مرشد نے اشارہ وہ کچھ چپکے سے کہنا چاہتا ہے۔
تو اس پر پڑھ گئی مدھم غضبناک حقارت ان کی اور کہنے لگے وہ:
" اکیلا تو چلا آ اور اس کو یہاں سے دفع ہونے دے جتن سے
جو اپنی مملکت میں آگھسا ہے، یہ تن تنہا یہاں سے لوٹ جائے
یہ جھک مارے بھٹک جائے، نہیں تو بخوبی راہ سے واقف اگر ہے
ثبوت اس کا ہم پہنچاتے خود اب۔ رہی سو بات تیری، تو ٹھہر جا
اے جو بدرقہ بن کر گھنیرے اندھیروں میں لئے پھرتا رہا ہے"۔
اب اے قاری خود اندازہ لگا تو کہ اس منحوس جملے کی صدا پر
قیامت مجھ پہ کیا گزری نہ ہو گی، یقیں آیا، محال اب لوٹنا ہے۔
کہا یہ چیخ کر "اے میرے اچھے مربّی راہبر اپنی اماں میں
مجھے تو سات دفعہ سے زیادہ لئے آیا بڑے خطروں سے محفوظ
مجھے درپیش جو آئے تھے، لیکن شدائد ہیں نہ اب تو چھوڑ دینا،
اگر ممنوع ٹھہری پیش قدمی، تو ہم بگٹٹ پلٹ چلتے ہیں واپس"۔
مرا مرشد جو یاں لایا تھا مجھ کو "خدمت کر مجال ایسی نہیں ہے

درندے جو پہلے کنٹو میں ملے
ایک چارون، مینا س
سربرس، پلوٹس، فلگاس
فلیو اجنٹی چھ، کل سات

کسی کی بھی کہ بے نیل و مرام اس ہماری راہ سے لوٹائے ہم کو
جب اعلیٰ الملا کی ہو اجازت'

یہاں لیکن مرا تو منتظر رہ، تسلی دے جراں مضمحل کو
اور اس دوران کچھ آرام کر لے' بھروسہ رکھ نہیں چھوڑوں گا تنہا
تجھے میں اس جہانِ اسفلیں میں"
'یہ کہہ کر وہ مکرّم مہرباں تو ہوا رخصت وہاں ٹھہرا کے
مجھ کو'
مگر میں برسرِ پیکار خود سے ۔نہ بھاگا جائے مجھ سے اور نہ ٹھہرا۔
پھنسی تھی مخمصے میں جان میری۔
انہیں کیا پیش کیں اس نے شرائط' نہیں میں سن سکا،
ہاں دیر تک خاص
نہیں گفت وشنید ان میں چلی تھی۔ مچی بھگدڑ سی ان لوگوں میں'
واپس
وہ اندر جا گھسے سارے اچانک' پھر ان ظالم حریفوں نے
کئے بند
کچھ ایسے پھاٹک اس کے منہ پہ' میرا مربّی رہ گیا تکتا کا تکتا،
وہاں پر اس طرح روکا گیا تو تھکے ماندے قدم وہ لوٹ آیا۔
جھی تھیں اسکی آنکھیں فرش پہ اور یقیں ماتھے سے عنقا ہو گیا تھا
وہ بولا بھر کے آہ سرد لیسے :" مزاحم غم کدوں تک کون مجھ کو؟
مجھے پھر دُ" مشتعل بیشک بہت ہوں، مگر مت جان اسے ہیبت
کے مارے۔

اس آویزش میں وہ مغلوب ہوں گے، کسی کو تک سے بھی
ڈالیں رکاوٹ

وہ اندر بیٹھ کر، یہ خیرہ چشمی نئی بھی ان کی جانب سے نہیں ہے۔
یہی کچھ کم نہ حرکت کر چکے ہیں وہ اس پھاٹک پہ، باہر کی طرف سے
نہیں ہے چٹخنی جس پہ ابھی بھی۔ وہیں محراب پر نقشین تو نے
پڑھی تھی (یاد ہے) مہلک عبارت۔

یہاں بھی جس طرف سے داخلہ ہے، بغیر بدرقہ ڈھالو سے نیچے
وہ ان حلقوں سے پایاب آرہا ہے" بلا کا اس میں کس بل ہے"
ہمیں وہ

کرے گا واگزار اب یہ علاقہ"

کینٹو (۹)

زبریں طاس۔ ڈس۔ چھٹا طبق

تلخیص: کچھ مزاحمتوں کے بعد اور کئی نار کی ڈائنوں اور اکھشوں کو دیکھتے، ایک غیبی ہستی کی مدد سے وہ ڈس شہر میں داخل ہوتے ہیں، وہاں بے دین مرتدین قبروں میں آگ کے تیز شعلوں میں بھن رہے ہیں۔ ورجل کی معیت میں ہمارا شاعر ان آتشیں مقابر اور شہر پناہ کے درمیان سے گزر کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

جو رنجگت، بزدلی کے دغدغے سے کھنڈی تھی زرد

رخساروں پہ میرے،

پلٹتے میں نے جب دیکھا تھا اپنے حزیں رہبر کو، اسکے عارضوں سے

اُڑی اب صاف، جس سے ہو گئے تھے ابھی پیلے پھٹک وہ،

کیفیت پہ

وہ ساری پی گیا اندر ہی اندر۔ ہو جیسے گوش بر آواز کوئی

سراپا انہماک ایسا ہوا وہ، کہ اسکی آنکھ کو مغّم فضا اور

دبیز اندوختہ بادل میں تا دور سجھائی ہی نہیں دیتا تھا کچھ اب۔

سخن آغاز یوں وہ: "ہم ہی غالب لڑائی میں یہ اغلب ہے، رہیں گے،

نہیں تو پھر کمک ہو گی فراہم، مجھے تو آہ لگتا ہے کہ تاخیر

ہوئی آمد میں موعودہ مدد کی"۔

یہ واضح مجھ پہ تھا الفاظ تمّت کئے تھے ابتدا کو کیسے مبہم،

کئے اس نے ادا آخر جوان کی نہیں بنتی تھی تک کچھ اوّلیں سے

لہٰذا اس سخن سے خوف میرا نہیں مدھم پڑا اک شائبہ بھی،

خرابی کا تھا اس سے احتمال اور، ہوا تھا غلط مبحث سے یہی فاش،

بھلا اس سہمگیں مقعر کی تہ میں کبھی پاتال تک اترا ہے کوئی

ان ارباب مقام اوّلیں سے، سزا جنکی فقط یہ ہے رہیں گے

سدا محروم امیدِ کرم سے؟

یہ استفسار میرا، وہ جواباً: "ہوا ہے اتفاق ایسا بہت شاذ

کوئی ہم سا ہوا ہو راہ پیمود

جہاں میں گامزن ہوں، ٹھیک ہے یہ ضرور اک مرتبہ آیا تھا پہلے

یہاں اسفل میں جب مبہوت مجھ کو

ارکتھو کلموہی نے کر دیا تھا جو لوٹاتی ہے جسموں میں ہیولے۔ — ایک تھسلوی کاہنہ

ذرا ہی دیر گزری تھی، مرا گوشت ہوا تھا ذات سے میری تہی، تو

مجھے اس ناحیہ میں لا کر اس نے یہ چاہا روح استخراج کر لوں

یہودا کی حواری منڈلی سے۔

فراواں گھور، گھپ، گھمبیر استھان یہ سب سے اسفلیں، دور انتہائی

ہمہ گرداں کرہ سے عرش کے ہے۔ بخوبی ہوں میں اس رستے سے

واقف لہٰذا تو تسلی سے کر آرام،

یہ سو جھیل، جس سے اٹھ رہے ہیں زبوں شوریدہ بھبکے، شہر غم کا

کئے ہے جو حصار، اس میں نہیں ہم بغیر خلفشاری جا سکیں گے۔"

بہت کچھ اور بھی اس نے کہا تھا، نہیں محفوظ اب جو حافظہ میں،

مری تو ٹکٹکی یکسر لگی تھی اس اونچے برج کے سوزاں کلس پر

جہاں اک ثانیہ میں، میں نے دیکھیں لہو میں تربتر سب، تین

نرکی چڑیلیں ایک دم برخاستہ، جو

مؤنث تھیں تو اپنی چال ڈھال اور وہ چہرہ مہرہ سے اپنے فقط تھیں،

زمرد رنگ اجگر گرداں کے کئے پیچیدہ کنڈل لوتھ اپنے — اجگر: اژدہے

بجائے گیسوؤں کے مینڈھیاں سی گندھی تھیں کھن کھجوروں جھپوں کی

ہر اک کی غیض آور رکن پٹی پر۔

وہ چرخ کیٹنوں سے خوب واقف کہ غم بانو کی تھی

ہر ناز بردار

سخن فرما ہوا یوں: دیکھ بھونڈی ہر اک بھتنی کو تو۔ بائیں مگھیرہ — بھتنی. ترجمہ ERYNNIS کا

بہاتی ہے الکٹو دائیں ٹسوے ہے ان کے درمیاں تیسی فونہ،

یہ بن لا کر پھر اس نے سادھ لی چپ۔ کھسوٹے ڈالتی تھیں

ناخنوں سے

وہ اپنی چھاتیاں، ہاتھوں سے خود کو دو ہتڑ مارتی تھیں، شیون و شور

شدید ایسا مچایا ہیں تو چمٹا مغنی سے دہل کے، ہول کھا کر۔

"مدوسہ تو جھپٹ لے تاکہ اس کو کریں تبدیل پتھر میں" وہ ساری

پکاریں دیکھ کر نیچے؛ "ہوئی تھی اگرچہ تھیسئیس کی رستمی بھی

جو حملہ زن ہیں اس وقت بھی باز

مناسب انتقام سخت سے ہم۔" پلٹ کر پھیر خود کو، اوٹ کرے

کہ خوفی گورگن کی اک جھلک بھی

بڑی مہلک ہے، اور پھر واپسی کا ہر اک امکاں ہمیشہ کے لئے ختم

یہ کہہ کر نرم خو آقا نے پھر آپ مرا منہ موڑ کر، ہاتھوں پہ میرے

نہ جیسے اعتماد اس کو رہا تھا،

مری آنکھیں لی اپنے ہاتھ سے میچ۔ اب اے فطین اور کامل سمجھ لے

ہے لوک اشلوک میں مضمر جو مطلب، ہے بھگوت گیت کی

جیسی بھی بندش

بخوبی ذہن میں یہ جاگزیں کر۔

تلاطم خیز لہروں پر سے گرنجی کرخت آواز اب ایسی بھیانک

دہل اٹھے کنارے، جس طرح اک بلا کی تیز آندھی کے تھپیڑے

بخارات ستیزہ گر سے خیزاں، کسی جنگل سے ٹکرا کر دھکیلے

سکت اپنی تر شاخیں نوچ ڈالے، اکھاڑے، پٹخے، ریلے دور پھینکے۔

ALECTO MAGAERA TISIPHONE: تین فیوریاں انتقام کی دیویاں (صنمیات)

تین GORGON میں ایک STHENO دوسری ہیں EURALE جسے دیکھتیں پتھر کا کر دیتیں۔ (صنمیات)

THESEUS قدیم صنمیاتی ہیرو جس سے متعدد معرکے منسوب ہیں۔

چرواہا

غضبناکی سے جھکڑیوں رواں ہو کہ ڈنگر مالدی سب بھاگ نکلیں.

پھر آنکھوں سے اٹھا کر ہاتھ بولا : تف کہنہ یہ نسل بینائی کی پھیر

جہاں پر آں ہیں مرغولے دھواں دھار،" پھدکتے جائیں مینڈک جس طرح تیز

سراسیمہ، کسی موجہ میں اپنے عدو افعی کے آگے آگے سارے،

کنارے تک رہوں ڈھیر ہر ایک - کم و بیش اک ہزار ارواح پامال

اسی صورت دکھائی دیں کہ سرپٹ وہاں اس شخص کے آگے دواں تھیں،

جو بیتر نی کے پار اترا تھا ایسے کہ اس کے پاؤں تک بھیگے نہیں تھے

جھٹکتا جار ہا تھا اپنے رخ سے صرصر باد کو، اور ہاتھ بایاں کشادہ کر رہا تھا گاہے گاہے.

کینٹو (۱۰)

زیریں طاس. چھٹا طبق. ایضاً

تلخیص : اپنے رہبر سے اجازت لے کر دانتے فرنتہ ابرتی اور کول کنتی سے چند سے گفتگو کرتا ہے. یہ دو آتشیں مزاروں میں پڑے ہیں؛ قبریں ان کی شق ہیں اور قیامت تک اسی طرح کھلی رہیں گی. فرنتہ اشارۃً شاعر کی فلورنس سے شہر بدری کی بشارت دیتا ہے. وہ سمجھاتا ہے کہ معضوبین کو درک پیش بینی تو میسّر ہے مگر حالات

مجھے تو صاف ایسا لگ رہا تھا نزول اس کا ہوا ہو آسماں سے
اور اپنے رہنما کو مڑ گیا میں، کیا جس نے اشارہ ہوں مودب
ستادہ کورنش اسکو کروں میں.
گیا میں! اف جلال اس کا کہ جو تھا۔ وہ پھاٹک کے قریب آیا،
عصا سے دھکیلا جب تو چوپٹ کھل گیا وہ.
تب اس متکرہ ہو درج پہ ستادہ مخاطب وہ ہوا: "جنت بدر، او
خراب و خوار و خستہ حال روحو! ہوا کیسی سمائی، یہ وطیرہ ہوا کیوں
خیرہ چشمانہ تمہارا
اڑنگا تم قضا سے لے رہے ہو کہ منشا بے مرام اس کا نہیں ہے.
مسلّط کبھی کیا ہے اکثر و بیشتر اسی نے تم پہ دردِ جانگسل بھی؟
عبث ہے یہ تمہاری سعی، کہیئے براتِ عاشقاں بر شاخ آہو،
سر بر س بھی تمہارا، یاد کرنا ہمہ تن داغ داغ اب تک وہاں ہے
جہاں نوچے گئے تھے بال اس کے گلہ گلّہ کا ملغوبہ بنا تھا۔"
چکھٹ رستہ پہ، یہ کہہ پیٹھ موڑی، ہوا ہم سے نہ لیکن
حرف زن وہ۔
ہویدا اس کے بُشرے سے علامت کسی تشویش دیگر کی —
کوئی شخص
دباؤ میں بہت ہی سخت ہو تو ہے مطلق نہ ہوش اسکی وہاں جو
کھڑا ہو عین اس کے سامنے ہی۔ ان الفاظِ مبارک کی ضمانت
ملی تو اس علاقے کو چلے ہم، جہاں داخل ہوئے بے روک ٹوک اب،
مرے تو ذہن کو لپکا لگا تھا کہ ہو معلوم اس کوشک کے اندر

(اسے ہرقلیس نے تہری زنجیروں میں جکڑ کر گھسیٹا (منمیات)

سقط کیفیت ہوگی تو کیسی۔ نظر لیکن جہاں تک بھی گئی تب
تو پہنا ورستاں ہیں جا بجا تھے اذیت ہی اذیت، روگ ہی
روگ۔

ترائی ہیں جہاں اریلز کی، رھون رواں ہے بند پانی کی
طرح سست

خلیج قوارنارو کے قریں یا۔ ایلیچے سرحدیں اٹلی کی جو اور
کرے حد بند اسکی، نزد پولہ جگہ جیسی مقابر سے اٹی ہے،
یہاں بھی ہو بہو منظر وہی تھا۔ مگر دہشت فزوں تر، الاماں اُف.
بھڑک کر منتشر قبروں ہیں شعلے جلائے دے رہے تھے مثلِ گلخن
وہ حدّت بیشتر درکار اس سے نہیں ہو صنعتِ آہنگری کو۔
معلّق وا تھے تابوتوں کے ڈھکنے، دہائی کی صدائیں
دردانگیز
دروں سے بے محابا اُٹھ رہی تھیں، کہ غم خوردہ اذیت یاب جیخیں،
مخاطب ہیں: "بتا آقا یہ محبوس درونِ قبۂ و محراب ہیں کون؟
سنائی دے رہا ہے صاف جن کی ہمیں دل باختہ آہوں کا نوحہ؟
جواباً وہ: "بڑے بے دین ہیں یہ، اکابر مرتدین، ان کے مقلّد
کرے جو تو قیاس ان سے فراواں، خبر کیا کتنی بھاری ہیں یہ
قبریں،
ٹھسے ہیں ہر لحد میں ہم عقیدہ، تمازت میں بھی ان کی تربتوں کا
بہم شدت کا درجہ مختلف ہے۔"
وہ دائیں ہاتھ، یہ کہہ کر مڑا اور ہم ان مقہور روحوں اور فلک بوس
فصیلوں میں سے ہو کر پار گزرے۔

ARLES صوبہ
PROVENCE میں

POLA بحیرۂ ایڈریاٹک
کی کھاڑی

QUARNARO ہر
ایک قصبہ،

حاضرہ سے وہ قطعی نابلد رہتے ہیں، تاآنکہ دنیا ہی سے کوئی نو وارد
مطلع کر دے۔

○

اب آگے چور رستہ سے بڑھے ہم، فصیلوں میں سے
ہو کر، کر رکھا تھا
جنہوں نے اس علاقہ اور ساری اذیت یاب روحوں کا احاطہ۔
مرا استاد آگے، ساتھ اس کے قدم پر میں قدم پیچھے نہادہ۔
شروع اس طرح میں، "ممتحن احسن! مجھے وافر کروں میں جو
گھمائے لئے جاتا ہے اپنے حسب منشا"
تمنا مطمئن کر دے مری، بول۔ پڑے ہیں جو درون ان مرقدوں کے
انہیں دیکھوں، کوئی ترکیب ہے کیا؟ سب سرپوش تابوتوں کے
وا ہیں۔
مسلط بھی نہیں نگران کوئی" وہ یوں گویا بپاسخ، "بند سارے
کئے جائیں گے یہ تابوت جس وقت جذافت سے پلٹ آئیں
گے یہ لوگ
بدن لیکر، جو چھوڑ آئے ہیں بالا۔ یہ گورستان اس جانب اٹا ہے
ابیقورس اور اس کے پٹھوؤں سے، بدن سے روح کو کرتے
ہیں جو قتل۔
لہذا جلد یاں ہو گی تشفی، کرے گا جو سوال اس کی بھی اور جو
خموشی میں نہاں یہ آرزو ہے،
جواباً میں: "مرے اچھے گورو، میں نہیں رکھتا ہو دل پوشیدہ تجھ سے،

عقیدۂ یہود و نصاریٰ میں میدان حشر یہاں بپا ہوگا

EPICURUS

آرزو: یعنی ابیقورس اور اسکے ساتھیوں سے ملے

نہ بے جا دوں بیاں کو طول بے شک، ابھی تو نے سبق جو خود
دیا ہے۔

"ارے او ٹسکنی، تو جو سلامت رواں ہے وسطِ
شہرِ آتشیں سے

سخن محتاط ایسا، اک ذری رک، خدا را سن کہ یہ لہجہ تو تیرے
وطن کی صاف چغلی کھا رہا ہے، وہی ارضِ شریف، اس سے قضا را
روا رکھا سلوکِ سخت میں نے"۔

یہ آواز آئی اک گنبد سے یک لخت، ڈرا میں، پہلوئے رہبر میں دبکا۔
وہ گویا: "یہ تجھے کیا ہو گیا ہے، ذرا مڑ، لے فرنتہ ہی تو واں ہے،
ہوا ہے جو بلند آپ اور کمر سے وہ اوپر سب نمایاں ہے، اسے دیکھ"۔
اب اس کے چہرہ پر پہلے ہی جیسے مرا اپنا ٹھٹک کر جم گیا تھا۔
تنے تھے اس کے پیشانی و سینہ، کچھ ایسے طنطنہ سے
جیسے دوزخ نگاہوں میں تھی اسکی ذیچ یکسر۔

یہ فلورنس میں گبیلاں جماعت کا سردار تھا۔

نڈر ہاتھوں سے فوراً رہبر نے دھکیلا ان مزاروں میں مجھے، یہ
مگر تنبیہہ کی "بے لاگ کہیو، نہ رکھیو کچھ لگی لپٹی، رہے دھیان"۔
وہاں میں پائنتی پر قبر کی جب ہو جا کر کھڑا تو فوراً اس نے
نظر بھر کر مجھے کچھ دیر دیکھا۔
بڑی بے اعتنائی سے کہا پھر: "ترا ہے خانوادہ کون سا، کہہ"،
پئے تعمیل میں نے بے کم و کاست بتایا بے دریغ اس کو، نہ رکھا
ذرا بھی اس سے پوشیدہ، تو اس پر بھنویں اس نے سکیڑیں اور چیخا
"عدوئے جاں وہ میرے، میرے جیتے اور اس خوں کے

جنم جس سے تھا میرا،

اسی باعث مجھے کرنا پڑا تھا انہیں دو بار باہر منتشر، پارہ"
جوا باً میں: " دھکیلے تو گئے تھے مگر ہر مرتبہ اطراف سے وہ
پلٹ آئے تھے، یہ ایسی مہارت، جماعت نے تری ثابت کیا وہ
نہیں ورک اسکو اپنانے کا رکھتی"

تب اس شگافتہ جبڑے سے باہر، ہیولی اک اٹھا پہلو
میں اس کے،
جھکا ٹھوڑی تک اوپر یوں کہ مجھ کو گماں گزرا وہ گھٹنوں بل کھڑا ہے،

کرل ونتی

بہر سو اس تجسس سے نظر کی کہ گویا بھانپتا ہو، ماتھ آیا مرے تھے
اور کبھی کوئی وہاں پر:
مگر جب لے چکا وہ ٹوہ، اس کا ہوا وہ جذبۂ مجہول ٹھنڈا،
تو یہ بھڑک کے بولا: "گر جلو میں ہے تو اس رہرو اعلیٰ ذکی کے
قدم زن کور زنداں میں تو پھر کیوں پسر میرا نہیں ہے ساتھ تیرے؟"
جواب اک دم مرا، آیا نہیں خود مجھے لایا ہے اس
اقلیم میں وہ
وہاں جو منتظر بیرا ہے جس سے ترے فرزند گیڈو کو تھی پرخاش"
مجھے اندازہ اس کی ذات کا تو کلام اور طورِ رنجوری سے اس کے
بخوبی ہو چکا تھا پس مکمل جواب اسکو یہ میرا جس کو سن کر
وہ تقریباً اچھل کر چیخ اٹھا "یہ تو نے کیا کہا — تھی - ہائے تو کیا
بقیدِ زندگی اب وہ نہیں ہے، مبارک روزِ روشن کی نہیں کیا
رہی اس چشم سے یہ چشمک زنی اب؟"

تامل کچھ کیا میں نے اُدھر وہ، مرے کہنے سے قبل آگاہ ہو کر
گرا یوں چت، نظر آیا نہیں پھر۔

اسی دورانِ دیگر، روح کا شیر، قریں جس کے ابھی تک میں
کھڑا تھا،

خشونت کا وہی طومار رخ پر، نہ گردن میں ذرا جنبش نہ اسکے
کوئی خم پنجری پہلو میں آیا،

اسی پہلے بیاں کے سلسلہ کو وہ یوں رکھتے ہوئے جاری، پکاری:
"دکھایا ہے مہارت میں اگر کم کمال ان نے تو تکلیف
اس سے مجھ کو

عذابِ قبر سے بڑھ کر ہوئی ہے۔ بچاس اپنی منوّر ہئیتیں بھی
ابھی مانو نہ کر پائے گی پوری، جو اس اقلیم کی مسند نشیں ہے
کہ ہو جائے گا تو آگاہ کامل مہارت کی اثر اندازیوں سے۔

جہانِ خوشنما کو واپسی ہو تری لیکن مجھے بتلائے گا تو
کہ یہ مردار پنجے جھاڑ کر کیوں مری اولاد کے پیچھے پڑے ہیں؟
جواباً میں: "وہ خونریزی بھیانک تباہی، جس سے سیلِ اربیہ کا
ہوا تھا رنگ گہرا ارغوانی۔

دعا اپنے مقدس گنبدوں میں بنی جس کے سبب فریاد کی لے"۔
وہ جنبش سر کو دے کر آہ کے ساتھ سخن گو اس طرح دوبارہ: "لیکن
نہ تھا اس چپقلش میں میں اکیلا، نہ میرا ناروا مقصود ہی تھا،
یقیناً متفق تھے دوسرے بھی ہوا ہوں گا ستیزہ کار جب میں۔
تھا البتہ اکیلا جب فلورنس ہوا سب کی رضامندی سے مسمار

مراد۔ چاند
حریف پھر غالب آئیں گے
شاعر شہر بدر ہوگا۔

یہ کھل کر سعی کی بھی صرف میں نے کہ اس حرکت سے ان کو باز رکھوں،

اسے سوگند سے ہیں؛ اس میں ہو تری اولاد بھی آخر یہ جیسے

گرہ تو میرے دل کی کھولتا ہے، پڑا تھا خرخشہ میں ذہن میرا.

سنا ہے ٹھیک اگر میں نے تو جیسا زمانہ کا تجھے ہو درک پیشیں

جسے یہ ساتھ لے کر چل رہا ہے، یہ مانا حال سے تو بے خبر ہے۔"

جوابا وہ: "کسی کی آنکھ جس کو ہے کالا علم حاصل، جھانکتی ہے.

تو پا لیتی ہے صاف آئندہ احوال، ہمیں بھی قادرِ مطلق نے اپنی

ضیائے بیکراں سے کی ہے بخشش، مگر نزدیک ہو یا واقعی امر

تو اپنی بدّیا کی گم ہوتی، نہیں احوال انسانی تمہارا

ہمیں اس سے فزوں معلوم ہوتا جو ہم تک دوسرے ہی لیکر آئیں.

لہذا ہو وقوف اتنا، ہماری ہمہ دانی اسی لحظہ ہے موقوف وہ مستقبل

پہ جب پردہ گرادیں.

بڑا نادم میں کوتاہی پر اپنی، پشیمانی کے عالم میں مزید اب

کیونکہ کون نتی کو فوری جواب دینے میں تامل کیا تھا.

"وہ ان افتادگاں میں ہے وہاں جو اسے تو اب ضرور اتنا بتانا

پسر زندوں میں ہے موجود اسکا۔ مری یہ معذرت بھی مختصر تھا،

رہا خاموش، دے پایا نہ پاسخ کہ گم اپنے خیالوں میں ہوا تھا.

اسی جھنجھٹ میں عالم محویت کا جسے تیری مدد نے حل کیا ہے۔"

مرے استاد نے مجھ کو پکارا، ہوا جو شوق پہ اک تازیانہ

بعجلت روح سے دریافت اب یہ شریکِ حال کون اس کے

وہاں تھے؟

جواب اس نے دیا: اس جا پہ یوں تو ہزار اک ہیں مرے ہمراہ

مدفون

فریڈرک نام کا ثانی بھی ان میں ہے یہیں پہ کارڈینل لارڈ بھی ہے
بہتیرے اور بھی، کیا ذکر ان کا؟"
یہ کہہ کر وہ ہوا او جھل نظر سے، مگر میں نے قدم لوٹائے اپنے
اب اس دیرینہ نغمہ سنج کی سمت۔
شگون بد کے وہ الفاظ سارے برابر حافظہ میں گونجتے تھے۔
وہ آگے چل پڑا، پھر چلتے چلتے مجھے ٹوکا کچھ ایسے: "کس طرح کے
تحیر میں حواس آخر ہیں ملفوف" ، تشفی کی جب استفہام کی تو
مجھے کہنے لگا وہ وہ مرد دانا:
سنا ہے جو رہے وہ حافظہ میں، ضرر کی بھی بشارت گو تجھے ہو
اٹھا کر اپنی انگلی پھر یہ تاکید کہ میں اس پہ توجہ دوں مناسب،
تو اس جانِ ضیا کے روبرو جب کھڑا ہوگا، وہی جس کی حسیں آنکھ
لیا کرتی ہے سب کا جائزہ۔ وہ کرے گی تجھ پہ تیری زندگی کے
تمام اسرارِ مستقبل کو افشا۔"
قدم جھٹ اس نے بائیں ہاتھ موڑے، فصیل اب رہ
گئی تھی دور پیچھے۔
بڑھے ہم مرکزی خطہ کی جانب، اک ایسی راہ جو وادی میں نکلی،
اگرچہ تھی بلندی پر مگر واں وہی شوریدہ بھبکے اٹھ رہے تھے

فریڈرک ثانی: وفات ۱۲۵۰
کارڈینل: اصل نام اتاوبانو
ابال دینی ۱۲۴۵ میں منصب
بطریق ملا، ۱۲۷۳ میں فوت
ہوا۔

جانِ ضیا: بیتریس

کینٹو (۱۱)

طاس زبریں — طاس زیریں

تلخیص : دانتے چٹانی ڈھال کی نکڑ پر پہنچتا ہے، جو ساتویں طبق کا حصار ہے۔ یہاں ملحد وقت انستاسیس کا مقبرہ ہے۔ لوحِ مزار کے نیچے قدرے توقف کرتا ہے کہ اس تعفن سے مانوس ہوئے جس کے بھبکے پاتال سے اٹھ رہے ہیں۔ ورجل اسے اگلے تین طبیلوں کی کیفیت سناتا ہے اور ان گناہگاروں کی بابت بتاتا ہے جو ان کے اندر مبتلائے عذاب ہیں۔ اس پر اس سے استفسار کہ ڈس نگر میں بھی تو ہوس ران، بسیار خور، خسیس اور فضول خرچ غصیلے اور سرد مہر بھرے پڑے ہیں۔ ان پر عقوبت کیوں نہیں؟ دوسرا استفسار یہ کہ سود خوری سے نافرمانیٔ خداوندی کیوں کر ہوئی؟ آخر کار دونوں شاعر اس مقام پر آتے ہیں جہاں ایک راستہ ساتویں طبق کو طاس زیریں میں اتر جاتا ہے۔

○

کنارِ مرتفع پر انتہائی سرے سے گھوم کر بہتر جگہ میں ہم آتے
جس جگہ زیریں، مصائب بڑے سنگین تھے انبار سے ٹھہرے
وہاں بچنے کو اس مکروہ بے حد عفونت زائیدہ تبخیر سے جو
گھنے پاتال میں سے اٹھ رہی تھی۔ لئے اک مقبرے میں لوح کی اوٹ

(غالباً پوپ ANATISUIS اوّل یا چہارم، مرتد و ملحد PHOTINUS کا حامی کار)

کھڑے تھے ہم ۔ عبارت جب یہ نقشیں نظر آئی: "مقیّد ہے
یہاں پوپ
انتاسیس، بہکاوے میں آکر پھوٹی نس کے جو گمراہ ٹھہرا
صراط الراس سے ۔ مغضوب، مقہور۔"
"فراز اب راہ پیمائی سے پہلے مناسب ہے ذرا
سستائیں، دم لیں
سمائے سانس یوں سینے میں اپنے کہ خوگر اس کے ہوں، یہ پھر
نہ اُکھڑے"۔
مرا استاد یوں، اور میں جواباً: "تلافی چاہیئے لیکن کسی طور نہ جائے
وقت یوں بیکار ضائع"۔
تو وہ: "لے میری پروازِ خیالات تری منشا سے ہم آہنگ ہے، عیاں
مرے فرزند ان ٹیلوں کے اندر ہیں درجہ وار حلقے متصل تین،
مثیل ان ہی کے، تو جن میں سے آیا، ہر اک ملعون روحوں سے
اٹا ہے،
مگر ہو دیکھنا مابعد کافی سن ان کی کیفیت اس وقت مجھ سے،
ہیں کس پاداش میں یوں مبتلا سب یہ ناہنجار ہنجارہ میں ایسے۔
سب اعمالِ شنیعہ میں، سرِ عرش، زیادہ موردِ نفرین حرکت
کہ دانستہ کسی کو دیں گزند اور حصولِ اس نوع کے مقصد کا ممکن
ہوا ہے زور یا تزویر سے جو کسی کی سوگواری کا سبب ہو۔
مگر تزویر ۔ یہ انساں کے اندر قباحت چونکہ خاص انداز کی ہے،
خدا کو سخت نامرغوب ہے، اور بڑی ہی جانگزائی قعر میں پس

ہوئی ان حیلہ سازوں کا مقدر، ہیں قہری حلقۂ اوّل میں محبوس
ہیں ایسی تین ذاتیں جن کے حق میں ہے معیوب اشتداد ایسا۔ لہٰذا
طبیلے ہیں عقوبت گاہ کے تین، ہر اک اندر جدا گانہ دگر سے۔
خدا سے، خود سے، ہمسائے سے اپنے زبردستی کا مظہر آدمی ہے۔
کہوں میں یہ کہ اپنی ذات سے خود۔ متاع و مال کے بارے میں اپنے
بگوش آئیگا بالتصریح تیرے۔
لگائے ضرب مہلک اور اپنے پڑوسی کو اجل کے گھاٹ اتارے،
کرے مجروح گہرا زخم مارے، اجاڑے، لوٹ لے، برباد کر دے،
جلا ڈالے سب اسکی جمع پونجی، یہ خونی، بغض و کینہ سے کسی کی
جو کوئی جان لے، ڈاکو، لٹیرے مدارِ اوّلیں میں گلہ گلہ شکنجے میں
عذاب و درد کے ہیں۔
تشدد کا پھر انساں مرتکب بھی خود اپنی ذات سے، اپنی نعم سے،
مدارِ دوم میں منغطہ کا مارا پشیماں کرنی پر رائیگاں ہے،
جو اپنی جان اپنے ہاتھ سے لے، جو اپنی روشنی گل آپ کر دے،
سراسر مسرفانہ بے زیاں کار صلاحیت کا بیدردی سے کیسا
جہاں یہ چاہیئے زندہ دلی سے گزران۔ پژمردہ، فسردہ
اجیرن کر کے وہ دن رات کاٹے، تو یہ کفران ہے، گویا خدا کے
وہ منہ آتا ہے، منکر جی ہی جی میں بڑی ہی مقتدر جبروت کا، وہ
بڑا گستاخ، ماخوذ اہانت، کرم فرمائی، منشا اور آئین
نظرانداز فطرت کے کرے یوں۔ یہیں سے اس مدارِ
اندروں کی

سدوم و کوہرہ پر ثبت ہے مہر۔ یقیں کر، ہیں اسی زمرے میں شامل
ندا سے مرتکب، باطن میں اپنے، جو تضحیک اور استخفاف کے ہیں.
مگر تزویر، اسکی تو کھٹک سی ضرور احساس میں رہتی
ہے باقی،

SODOM / CAHORS
دوسرا سود خوروں کی آبادی تھی.

میر اس پر خلیدہ گر کسی نے فریب اس کو دیا ہو، جس نے قائم
تعلق اعتمادانہ کیا ہو.
نیں اخلاص سے کرنے لگا ہو۔ یہی اک ماحصل اس کا بالآخر
ہ اک سلک محبت ٹوٹ جاتے جسے قدرت کیا کرتی ہے تیار۔
سی باعث ہوا ماموران کا نشیمن دوسرے حلقہ کے اندر.
سون و کاسہ لیسی و دو روئی، دروغ و سرقہ و منصب فروشی
کلیساؤں میں) جن کا منتہا حرص، کہ اس چرکین فضلہ
کے لئے وہ
انت کو بھی داؤ پر لگا دیں. اسی مسلک کے خمیازہ میں غارت
بت — عام جو فطرت نے کی ہے، وہی جس میں اضافہ ہو
توقائم

(مترجم کا سابقہ ایک ایسے بندۂ تزویر سے پڑا کہ عرفِ عام میں دانشور مشہور تھا، مگر دھوکے سے ادبی انجمن کا دفتر بیچ کھایا)

یا وہ بختگی سے ہو عقیدہ، اسی باعث مدارِ اسفلیں میں —
جگ کی کھاگ، ڈس نگری بھیانک — عذاب النار میں
خائن پڑے ہیں:-

کھاگ : حد، آخری نقطہ

تو میں یوں : گفتگو تیری معلّم، وضاحت سے نمایاں
کر رہی ہے.
ز مندی سے کامل، صاف کنڈر یہ ہیبت ناک اور اس کے
مکیں سب۔

(دیتشو) مضافات

(چاہ : بچہ)

مگر ہو اب مجھے معلوم جو ہیں چہ بچہ ہیں وہاں مردود، جس پر
دمادم بارشوں کی یورشیں ہیں، جنہیں طوفاں اڑائے پھر رہا ہے
مقابل آ کے در آویز، کیسی زبانیں قینچیاں سی چل رہی ہیں،
پھر اس شہرِ زبانہ تاب میں کیوں عذاب ان پہ نہیں ہوتا ہے نازل؟
خدا کے قہر ہیں وہ گر ہیں ماخوذ۔ نہیں ماخوذ اگر تو کس لئے پھر
یہ بیچاروں کی درگت بن رہی ہے؟"
جواب اس نے دیا: کیوں خیر تو ہے، گئی ہے گھاس چرنے
عقل تیری،
کہ تیرا دھیان اب کچھ بٹ گیا ہے، نہ تھی آشفتگی پہلے تو ایسی۔

ارسطو کی اخلاقیات

نہیں کیا حافظے میں لفظ محفوظ، ترے اخلاق نامہ میں بیاں ہے
جہاں یہ صاف۔ منشائے بریں کو طبائع تین نامرغوب ہیں سخت۔
درندہ خوئی، کین، بے اعتدالی۔ خفا بے اعتدالی سے خداوند
اگر کم ہو تو کیوں کر، یہ خطا ہو اگر محسوب معمولی تو کیسے؟
جزا کا غور سے لے جائزہ تو، جو اس میں مبتلا ہیں یاد کر لے
کہ دیواروں سے باہر کیا عبث وہ پشیمانی میں سر ٹکرا رہے ہیں۔
عیاں ہو جائے گا یہ آپ تجھ پر کہ ان ملعون روحوں سے انہیں کیوں
جدا اس فرق سے رکھا گیا ہے، کہ اُن پر انتقامانہ غضب کیوں
بہ قلّت عدلِ ربانی انڈھیلے"۔
تو میں اس طرح: "اے خورشید جس سے ہر آشوبِ نظر کا
ہو امداوا!
مجھے حاصل ہو اطمینان کتنا، مرے شبہات جب تو رفع فرمائے،

مجھے ناواقفی کی کیفیت تب بھلی لگتی ہے کیا کیا آگہی ہے۔

پھر اب سابق سخن پر ہو توجہ تری مبذول — فرمایا تھا تو نے

ہے غیر سرمدی کو سود سے کد۔ "ربا" کا عقدۂ پیچیدہ یہ کھول۔"

جواب اس نے دیا تب: کر چکا ہے بگوش ہوش

(جزوی طور پر کب)

بخوبی نکتہ حکمت سماعت۔ بجہ عنواں بکارِ خویش فطرت

کرے ہے سرمدی درک اور اسی کی حسین صنعت کو اپنی مشعلِ راہ،

STAGIRITE / ارسطو کے قواعدِ طبیعیات

سطاجیری (ارسطو) نے کئے ہیں خواص اس کے جہاں پر آشکارا،

ورق گردانیاں ایسی زیادہ نہیں کرنا پڑیں گی، تاہم معلوم

بخوبی یہ تجھے تیرے ہنر کی نمو بھی یکسر ہے اس خاک سے ہے۔

یہ جیسے گامزن ہو نقش پا پر کوئی آموزگار استاد کے، پس

تمہاری دست گاہِ فن کو کہیئے کہ جا بعد از خدا اس کی بجا ہے۔

یہ دونوں — محنت اور مٹی — اگر ہو تجھے اچھی طرح سے یاد اپنے

صحیفہ میں مقدس باب تخلیق — ازل سے ہیں برائے نوعِ انساں

بجا منبع حیات و شستگی کا۔ مگر یہ سود خور، اس کا چلن ہی

دگر ہے۔ (حرص کے مارے کہ ہے وہم) بذاتِ خود نیز زد

'ہیچ قدرت'

ہیں پیرو کارِ قدرت سارے لاشی۔ لگا تا ہے وہ آس اپنی

کہیں اور۔

مگر اب تو مرے نقش قدم پر چلا آ، ہے سفر درپیش ہم کو،

وہ حوت اب اپنی ہلکوری نظر سے افق پر کھیلتی ہے اس منڈل

بنات النعش کا غرباً شمالاً بڑھا ہے، دور آگے تک وہاں پر
بڑی ہی سنگلاخ اونچائی سے جو اترتی ہے وہ پگڈنڈی ہے اوگھٹ

کینٹو
(۱۲)
زیریں طاس۔ ساتواں طبق۔ طبیلہ اوّل

ملخص : کٹھن پگڈنڈی ساتویں طبق میں لے آئی جہاں اہلِ جفا محسوب ہیں۔ دانتے اور رہبر نے مناتور کو وہاں پاسبان پایا۔ اسکی جھلاّہٹ، جسے ورجل فرو کرتا ہے۔ کگر کگر پاؤں ٹکاتے سنبھل سنبھل کر آگے بڑھتے دونوں نیچے اترے تو ایک جوئے خون نظر پڑی جس میں بد نہاد جانگزائی کے عالم میں ہیں۔ یہ پڑوسی کا حق نہ پہچاننے کے مجرم ہیں۔ بنی نوع انسان کے خلاف سنگین مظالم کے خوفناک کردار، سیلاب بلا سے نکلنے کو یہ لوگ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں تو کناروں پر خرامیدہ و دویدہ قنطوروں کے غول انہیں تیروں کا ہدف بناتے ہیں۔ دامنِ کوہ میں تین قنطوروں نے ہمارے ان مسافروں کو بھی ٹوکا، ورجل نے جب قائل کیا تو ایک دونوں کو دریا پار لے جانے پر راضی ہو گیا۔ دورانِ سفر ورجل دانتے کو دریا کی گزرگاہ اور مواخذینِ عذاب کا ماجرا بیان کرتا ہے۔

اترنے کو ہم آئے ڈھانگ سے جو جگہ تھی الپ کی
مانند بیہڑ۔
سوا نہ پڑ وہیں اس کی پڑا تھا ہیولی وہ کہ کترا جائے ہر آنکھ۔
خرابہ جس طرح وہ، اس کنارے ٹرنٹو سے جہاں ٹکرائے آکر
ندی ایڈیس کی، صد موجہ بشانہ، کسی بھونچال کے باعث اچھل کر
کسی ٹیک آڑ کی یا پھر کمی سے، وہ اس کہسار کی چوٹی سے اترے
نشیبی سطح پر، کیوں کر، جہاں سے، لرزتی ہے چٹان ایسی نگوں سر
فراہم راستہ کر دے اسے کچھ جو اوپر سے گزرنا چاہتا ہو۔
تھی اسی صورت کی اس کو تل میں وہ ڈھال، وہیں اس منقسم
ٹیلہ کی حد پر
کریٹی، انحس زا پسرا پڑا تھا۔ جنا وہ بیہڑی بہروپن کا مکروہ،
ہمیں یوں لچکچا کر اس نے دیکھا کہ غصہ میں کوئی آپے سے باہر،
مرا رہبر اسے چلا کے: "شاید ہوا ہے وہم تجھ کو ناگہانی
شہ ایتھنز آنکلا، کیا تھا تجھے جس نے ہلاک اوپر جہاں میں۔
وفان، اور اٹھ شس، آیا نہیں یاں کوئی تیری بہن سے سیکھ کر گر
مگر آیا ہے بے شک تاکرے وہ تری فرطِ عقوبت کا تماشہ۔"
جھپٹ کر حملہ آور تیر سا ہو بڑی تندی سے کوئی سانڈ، جونہی
کڑاکے کی پڑے ضرب اس پہ، لیکن نہیں پلٹے وہ بڑھنے، اور دھم سے
زمیں پر آرہے پہلو کے بل۔ یوں مجھے گرتا نظر آیا مناتور

ڈھانگ: سیدھی ڈھلوان
بیہڑ۔ ناہموار

کریٹ کا۔ مناتور
بیہڑی۔ بچھیا مراد
PASIPHAE
شہ ایتھنز THESEUS
بہن ARIADNE
اسکے منصوبے سے تھیسس نے مناتور کو ہلاک کیا۔

وہ دانا تب یہ چلایا "لپک لے، پڑا اپنی رہ، اسے بنکارنے دے،
غنیمت ہے کہ تو اترائی پر ہے۔" پس اپنی راہ لی نیچے کو ہم نے
زماں خوردہ کراڑوں میں سے، اکثر لرزتے تھے مرے پیروں
تلے جو،

نہیں عادی ان ایسے بوجھ کے تھے۔ رواں میں فکر میں تھا محو یونہی
کہ وہ بولا: ہے تیرے دھیان میں تو وہی پامال ڈھالو
ڈھانگ شاید

تھا بن مانس زیاں سر ہنگ جس پر جسے مغلوب ابھی میں کر چکا ہوں،
تجھے معلوم ہو جب قبل ازیں میں ادھر اترا تھا اسفل ہاویہ میں
چٹان اس وقت یہ ڈھلکی نہیں تھی۔ مگر بے شک (جو اندازہ
کروں ٹھیک)

نہیں پہلے بھی کچھ اتنا زیادہ نزول اجلال سے موعود کے، جو
غنائم خاص ڈس سے لے گیا تھا اٹھا کر عالم ارفع کے، ہمراہ
تو کل اطراف میں لرزہ بر اندام عمیق و ضیق جوف ایسا ہوا تھا۔
ہوا محسوس یہ گیتی سراسر محبت کی مہک سے بس گئی ہے۔
بنا بر ایں یہاں ہیں ظن جنہیں ہے پڑا تھا اختلال اکثر جہاں میں
مطابق اس نظریہ کے یہاں اور کتنی دیگر جگہ پہ یہ پرانی پہاڑی
بھی کھسک کر ڈھے گئی ہو۔
مگر نیچے نظر کی ٹکٹکی باندھ، ہے اک دریائے خوں نزدیک
جس میں
وہ سب ڈوبے ہوئے پائے گئے ہیں تشدد سے کیا مجروح جن نے،

ہوس اف اندھی، اور غصہ جنونی! کریں پہلے تو برانگیختہ یوں
حیاتِ چند روزہ میں، تب ایسا ابد میں رکھیں سرگشتہ مکمل۔"
کماں صورت خمیدہ کھائی خاصی دکھائی دی محیطِ دشت مجھ کو
یہی رہبر نے جتلایا مجھے تھا۔ یہاں سے تا بہ پایانِ فصیل اک
بندھا تھا جس طرح تانتا، دو ویدہ
سلح تیز پیکانوں سے قنطور، کچھ اس انداز سے، دھرتی پہ جیسے
تعاقب میں رہا کرتے تھے سر توڑ۔
نزد آتے ہمیں دیکھا تو ان میں ہر اک ٹھٹکا لپک کر جیش سے تین
بڑھے لے کر کمانیں اور گوپھن، چنیدہ اسلحہ کاریگری کا۔
پھر ان میں ایک چیخا فاصلے سے "تجھے کہہ، کیسی شامت گھیر لائی
یہاں ڈھلوان سے جو آرہا ہے، کھڑا ہے جس جگہ بول
اب وہیں سے
نہیں تو میں نے یہ چلّہ چڑھایا۔"
مرا رہبر لسے: "چیرون کو ہم جواب اپنا بتائیں ہوں
جو نزدیک،
طبیعت کا سدا ٹیڑھا، ہمیشہ یونہی کا جلد باز اور تیز تو ہے۔"
کہا چھو کر مجھے: "نیس ہے یہ جو گیا تھا جان سے اس ماہ پارا
دیانیرہ کی خاطر، اور بحیلہ
لیا پھر واژگوں بختی کا بدلہ۔ وہ سینے پر نظر اپنی جمائے ہے ان
کے درمیاں چیرونِ اعظم،
اسی نے تربیت اکیلیز کو دی۔ دگر پھولس کہ غصہ ناک پر ہے۔

نیس (NESSUS)
ہرقلیس کے ہاتھوں مارا گیا، اس نے دیانیرہ کو وصیت کی کہ وہ اس کے خون کے چند

ہزاروں گشت پر ہیں گردِ خندق لیے تیروں سے ہر اس روح کی
شست

جسارت جو کرے باہر لہو سے ذرا بھی جرم کی نسبت زیادہ۔"

ہم اب آئے قریب ان وحشیوں کے رواں جو سنگ
تیزی سے بہت تھے۔

تو اس چیرون نے پیکاں نکالا اک اور سر کائی اسکی نوک کے ساتھ
گھنی ریش اپنی رخسارہ کے اوپر، کیا آگے کو بے ڈھب بابہ اپنا
ہوا خواہوں کو پھر اپنے پکارا: "خبر بھی ہے تمہیں جو پیس رواں ہے
جسے بھی مس کرے جنبش اسے دے، سکت مُردے کے پیروں
میں کہاں یہ؟"

مرا وہ اعتمادی رہبر جو لگا چھاتی سے عین اسکی، کھڑا تھا
جہاں ہر دو طبائع باہم آمیز، جواباً اس طرح: "زندہ ہے بیشک
اور اس تنہا کو یہ غمناک وادی دکھاؤں لامحالہ میں۔ نہیں ہے
کرتی تفریح بھی ملحوظ، بلکہ ضرورت ہی کچھ ایسی آ پڑی ہے۔
فلک پر آئی تھی موقوف کر کے وہ اپنی پرطرب بربط نوازی،
اسی نے سونپ دی ہے ذمہ داری، یہ رہزن ہے نہ میں
بدروح کوئی:

مگر اک خیر کی طاقت ہے جس نے قدم کو حوصلہ بخشا ہے میرے
کہ ہوں اس راہِ ویراں پر روانہ۔
مری درخواست ہے تو ساتھ کر دے ہمارے، اپنے اس ٹولہ
سے کوئی،

قطرے سنبھال رکھے کہ اگر ہر قلیس اس سے بے وفائی کرے تو یہ ٹونا کے کام آئیں گے۔ پھر دنائیرہ نے انہیں استعمال کیا اور اثر سے ہر قلیس تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

بابہ: منہ کا دہانہ

بھنورِ سہ جس پکاملِ کر سکیں ہم، ہمیں لے جائے جو اس گھاٹ تک اور
چڑھا کر اپنی چاڑھی پار اترے۔
نہیں ہے روح یہ شخص اور قاصر لہذا ہے ہوا پر گامزن ہو۔"
تب اپنے دائیں بازو مڑکے چیرون ہوا نیسس سے گویا؛
"تو پلٹ لے،
ہوا ان کا رہنما، گر اتفاقاً کسی جیشِ دگر کا سامنا ہو، تعرض سے
اسے بھی باز رکھنا۔"
روانہ ہم ہوئے اور بدرقہ وہ ہمارے تابعِ فرمان تھا ساتھ
کنارِ سیلِ تیزِ قرمزی جوش، جو تھے منجدھار میں آغشتہ ان کی
دمادم واں سے چیخیں تیز برپا۔
دکھائی کچھ دیئے واں غرق تا فرق تو یوں وہ پیلیتن
قنطور بولا:
"یہ ہیں جابر ستم رانوں کی روحیں، رولا رکھے جنہوں نے قتل و غارت،
بہ بانگ اب اپنی چیرہ دستیوں پر کفِ افسوس سارے مل رہے ہیں۔
سکندر اب فرو کش اس جگہ ہے، دیونا سس بھی افتادہ، کہ جس نے
کیا تھا بربیت کا نشانہ سہانے صقلیہ کو سالہا سال۔
ازولینو ہے، جس ملتے یہ لچھا وہ چمکیلے سیہ بالوں کا ہے، وہ
کنتانی لٹ کا استہ سے ابیزو، جسے دنیا میں اس کے ناخلف بد
پسر نے قتل کر ڈالا تھا۔" میں نے
مغنیٔ گرامی کی طرف رخ کیا مڑ کے تو وہ بولا: "چل اب وہ
ہو لے ہے رہنما تیرا مقدم مجھے فی الحال اس کے بعد تو جان۔"

(DIONYSIUS)

ازولینو، متوفی ۱۲۶۰ انتہائی ستمران حاکم

OBIZZO OF ESTE

ایک انتہائی لالچی نواب

کچھ آگے اک جگہ قنطور ٹھٹکا، گلے تک لہر سے اوپر تھے کچھ لوگ،
دکھائی روحِ گوشہ گیر الگ ایک، پکارا: "اس نے سینہ میں خدا کے
کیا ہے قلب کا خوں، آج تک جو کنارِ ٹیمز پاک و محترم ہے"۔
پھر اک فرقہ نظر آیا کہ سر تک بروں، بلکہ کمر تک لہر سے تھا۔
کئی چہرے لگے ان میں شناسا،
ہوئی کم سطحِ سیلِ خوں بتدریج، یہاں تک ہوگئی پایاب آخر،
ادھر ہی بیچ سے کھائی میں ہو کر ہمارا راستہ جاتا تھا آگے۔
کہا قنطور نے: "یہ سیلِ سرجوش سدا اک جزر کے عالم میں
اس سمت
نظر آتا ہے مجھ کو، اس طرف بھی یہی کیفیت اسکی ہے، یقیں کر۔
گزر گہ میں فرو ہو پھر فروتر۔ اکٹھا مل کے دوبارہ بنائے
یہ اس حصہ میں سنگم۔ جس جگہ پر پشیمانی نصیبہ ہے ستم کا۔ (مگر
توبہ جفا سے قتل کے بعد!)
یہاں پر عدلِ ربانی کی سنگیں گرفت جانگزا ہے ایٹلا پر
وجود اس کا زمیں پر سوط قہری، یہی سیکسٹس ہے اور پیروز پر ہے،
ہمیشہ اشک رینیری کے اینٹھے یہ بریاں سیل بے زنجیر کر کے
کرینٹو کے یہ کیفیت جسکی پازو۔
جنہوں نے لوٹ مار ایسی مچائی کہ راہیں پُرخطر سب ہو گئی تھیں؛
یہ کہہ کر مڑ گیا، وہ پھر ہمیں چھوڑ اکیلا گھاٹ سے جا پار
اترا۔

مراد ہنری سے ہے جسے گائی ڈی مانٹ فورٹ نے بہ حالتِ عبادت قتل کر دیا تھا۔

پمپے کا بیٹا SEXTUS
شاہ اپائرس PYRRHUS
رینیری کرینو اپنے زمانے کے دو سفاک ڈاکو

کینٹو (۱۳)

زیریں طاس ۔ ساتواں طبق ۔ طبیلہ دوم

○

تلخیص: ساتویں طبق ہی میں بدستور، دانتے دوسرے طبیلہ میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں عتاب اور عذاب ان پر ہے اپنی جان و مال پر جنہوں نے ظلم کیا، اور بے دریغ اپنے ہاتھوں تلف کرتے رہے۔ خودکشی کے مرتکب بھرے، گانٹھ دار درخت بنا دیئے گئے ہیں، جن پر چڑیلوں کا بسیرا ہے۔ دوسرے پر کالی کتیائیں چھوڑ دی گئی ہیں کہ ہر لحظہ تکہ بوٹی اڑائے دیتی ہیں۔ اول الذکر میں پائر و ز و گنی ایک شخص ہے جو خودکشی کی واردات بیان کرتا ہے اور مزید روحیں کیوں کر تنوں کے قالب میں ڈھالی جاتی ہیں۔ دوسرے ٹولہ میں سین کے لانو اور پڈوا کے گیا کومو کو خود پہچان لیتا ہے۔ آخر میں ایک فلورنسی جس نے اپنی چھت میں پھندے سے خود کو لٹکا لیا تھا۔ ہموطنوں کے مصائب کا دکھڑا روتا ہے۔

ابھی نیسس نہ تھا اس گھاٹ اترا کہ داخل اک بیاباں
میں ہوئے ہم،
جہاں قدموں سے پگڈنڈی تلک بھی نہیں اک کھنچ سکی تھی ۔ سبزہ و گل

تو عنقا، گھاس پات البتہ اس میں فراوانی سے تھا خاکستری رنگ
سبک ہی اور نہ مخروطی وہ شاخیں، مگر گانٹھوں سے بھونڈی،
اور بے ڈھب
گھنی جٹیائی، پھل ان پر نہیں ایک مگر تھی بس بھرے کانٹوں کی بھرمار.
وہ کم ان سے نکیلے اور کہیں کم ہیں وہ جھڑ بیریاں بیاکپ جن میں
ٹھکانے ان بہائم کے، جنہیں ہے قرینہ دار میدانوں سے
وحشت ۔

ندی سسنہ و کرنیٹو کے مابین.
بھیانک ڈائنوں کے یاں بسیرے جنہوں نے پیش آیندہ
الم کی
ڈراؤنی فال سے باہر دھکیلا ستر فادی، تروجی طائفے کو.
وہ چوڑے پنکھ ان کے، آدمی جیون رخ و گردن کی ہیئت، پاؤں
تھے لیں
نکیلے ناخنوں سے، تو ند فربہ، پشر یژہ پُر، نشستہ، محو نالہ
تھیں یہ پر ہول و پر اسرار بن میں.
بدیں الفاظ گویا مشفق استاد: "تجھے معلوم ہو بڑھنے سے پہلے
طبیلہ دوسرا ہے یہ جہاں تو ہے گا جب تلک تیری رسائی
نہیں ہو ریگ زار سہمگیں میں.
پس اپنے آس پاس اچھی طرح دیکھ، تجھے چیزیں نظر آئیں گی ایسی
کہ ہوں سب خلط ملط اب گر کہوں میں"، تمام اطراف سے کانوں میں وارد
فسردہ سسکیاں فریاد کی تھیں. نظر کوئی نہ آتا تھا کہ جانوں یہ جن سے

اٹھ رہی تھیں، کون ہیں وہ .

وہیں میں جم گیا حیرت کے مارے، یقیں اسکو ہوا، ایسا لگا کچھ۔
مری دانست میں اتنی صدائیں انہی چند ایک کی آتی ہیں، خفیہ
کہیں جو پاس تھے ان جھاڑیوں میں .

کیا پس یوں سخن آغاز اس نے: "گر ان مذموم پودوں میں کسی سے
اکھیڑے ایک بھی ٹہنی تو یکسر گماں کافور ہو جائے گا تیرا۔"
ذرا سا ہاتھ تب میں نے بڑھا کر گھنے ڈالے سے اک

ٹہنی اتاری،

تنا یکدم وہ چیخ اٹھا: "مجھے کیوں ادھیڑے ڈالتا ہے"، ساتھ

تن سے

نکلی سی بہی کالے لہو کی، مزید اس کا سخن: "کیوں چیرتا ہے؟ ذرا بھی
ترس کیا دل میں نہیں ہے .

کبھی ہم بھی بشر تھے، اب لکڑیاں کچھ اس انداز سے گاڑے گئے ہیں،
اگر ہم اژدہوں کی روح ہوتے تو پھر صرفہ یہ تیرا ہاتھ کرتا۔"
جو سلگے سبز ٹہنی اک سرے پر، سرے سے دوسرے شیون کی آواز
کچھ آئے اس طرح، رستہ بمشکل بنائے سرسراتی باد اس میں،
اسی طور اس شکستہ ریختہ سے لہو اور لفظ اٹڈ کر باہر آئے .
کسی کو ہول سے سکتہ ہو جیسے، چھٹی ٹہنی وہ میرے ہاتھ

سے یوں،

جواباً اب اسے وہ مرد دانا: "یقیں ہوتا اسے گر روح مجروح
بیاں میں نے سخن میں جو کیا تھا تو یہ تجھ پر نہ ہرگز ڈالتا ہاتھ،

نہ ہو سکتا تھا اس کو یہ گماں بھی، اسے ترغیب اس حرکت کی
دی تھی

مجھی نے اور میں نادم ہوں اس پر، مجھے لیکن یہ بتلا کون تھا تو
تلافی کچھ جو اس مافات کی ہو۔ کہ یہ دنیائے بالا میں پلٹ کر
(اجازت ہے لسے واں واپسی کی) تری شہرت کو پھر بے داغ
کر دے"۔

ثنا بولا "عفاک اللہ تری اس نکو گوئی سے ہے تابِ سخن اب،
لبِ اظہارِ مطلب کیوں رہے بند، دراز اب ہو حدیث اپنی اگر تو
اسیرِ دام کی اس گفتگو کو خدارا بارِ خاطر مت سمجھنا۔

یہ تھا میں ہی کہ دل مٹھی میں جس کی فریڈرک (دوم) کا کچھ اس
طرح تھا

کیپس شہر کا باشی پیر ڈیلی وگن VIGNE جو معمولی حیثیت سے اپنی قانون دانی اور چرب زبانی کے باعث شہنشاہ فریڈرک II کا چانسلر بن گیا۔

کسی کو بار واں ممکن نہیں ہو۔ کمالِ فن سے میں کرتا تھا اسکی
کشا و بست، اذن اس میں مجھے تھا۔ رہا میں منصبِ اعلیٰ پہ فائز
یہی ثابت ہوا پھر جان لیوا۔ حیات افزا لہو میری رگوں کا
دریغا، بے دریغ اس کو بہایا۔ وہ حرّافہ (جلن) جو موٹے دیدے
نہ اپنے، خانوادے سے پھرائے کبھی قیصر کے، عیبِ عادِ خذ عام
یہ درباران شاہی کا پرانا، خلاف اس نے کئے سب مشتعل ذہن،
لپیٹ میں آگیا اس کی جہاندار۔ حشم سارا، مری ساری
تزک تب

(ENVY)

ملال انگیز عبرت میں ہوئے گم، بساز ولیدہ و محزوں ہوا جی
تو بیزاری سے میں نے اپنے ہاتھوں اجل کی گود میں ڈھونڈا
ٹھکانہ۔

روا تھا جو، وہی تب بن گیا ہیں، بنا جو نا روا اپنے لئے ہیں۔
قسم تازہ جڑوں کی جس کے بل پر، کھڑا ہے یہ تنا، نقصِ وفا کا
نہ تھا ہیں تریحب آقا سے اپنے، سزاوارِ شرف بسیار وہ تھا۔
رہے تم، واقعی گر کوئی یاں سے پلٹ کر جائے سوئے دارِ فانی،
ازالہ اس غلط فہمی کا کرئے دماغوں میں ہوئی ہے جا گزیں جو
حسد کے حربۂ سنگیں کے مارے"۔

کیا قدرے توقف، جب ہوئے ختم وہ شیون شیوہ الفاظ
— اس طرح تب
مغنی نے کہا مجھ سے — "زیاں مت ذرا کر وقت کا یوں، اور اگر کچھ
تجھے دریافت کرنا ہے تو جھٹ پوچھ" جواب اس پر دیا میں نے،
"بس اب تو
کر استفسار جو سمجھے مناسب، مری بھی ہو سکے جس سے تشفی۔
مجھے یارا نہیں جو پوچھئے کچھ، مرا دل درد سے یوں خوں ہوا ہے"۔
وہ دوبارا سخن راں تب: "تمنا یہ خاطر خواہ بر لائے گا
تیری"۔
گزارو روحِ زندانی اگر ہو، تو یہ فی الوقت کر افشا، بندھی جاں
یہ گلٹی دار گانٹھوں میں تو کیسے، تمہیں میں کوئی ایسا بھی
ہے جس کو
رہائی اس شکنجہ سے ملی ہو؟ — اگر یہ بات ممکن ہے، تو بتلا"۔
بھری اک سانس لمبی اس تنے نے، ہوا نے ایک
دم تبدیل جس کو

کیا ان قابلِ فہم اچھروں میں؟" جواب اسکا تمہیں مجمل ملے گا:
جدا جب بخت جاں ہو تی ہے تن سے، تو از خود
ریزہ، ریزہ، پارہ، پارہ
بحکمِ قاضی زیرین (میناس) بیاباں میں خلیجِ ہفتمیں کے
وہ گر جاتی ہے - جائے بے تعین، جہاں بھی اتفاق اس
کو پٹخ دے.
وہیں دانہ کی صورت پھوٹتی ہے، نہال اول، ازاں پس پیڑ جنگلی
چڑیلیں کونپلیں چرتی ہیں اسکی، بڑی ہی جس سے ہو
تکلیف اور نیز
اسی تکلیف سے اظہار غم کا - ہم اور سب دوسرے وارد یہاں ہیں
خود اپنے ہی غنائم کے لیے - گو نہیں امکان اتنا بھی، دوبارہ
ہماری جامہ زیبائی ہو ان سے.
نہیں ہے بسکہ اس کے پاس انساں جو ا ہ ذات سے
کرتا ہے حاصل.
بمجبوری گھسیٹیں گے انہیں ہم، ہمارے جسم پر آشوب وادی
میں تا حد نظر ہونگے معلق
بیابانی ببولوں پر خود اپنے مقدر سوختہ سائے کے ہر ایک."
رہے ہم گوش بر آواز کچھ دیر کرے شاید تنا کچھ
اور اظہار.
یکایک چونک اٹھے اک شور سے ہم، سماں بالکل وہی نزدیک.
جیسے

بیلہ اور اصیر اک شخص دیکھے پہچان اسکی جہاں بھر کہیں ہو
ندوں ٹہنیوں کی سرسراہٹ بڑی تیز آس پاس اس کے بپا بھی۔
ال لو! آرہے تھے دو برہنہ، دوبدہ اور ببولوں سے دریدہ
کتے پاؤں جیسے سرپر رکھے، چنور کوبن کے توڑتے ڈلتے تھے۔
پک لے "پیشرو چیخا" لپک موت!" دگر، تاخیر پہ بے صبر چیخا
زے اعصاب ایسے مستعد تو نہیں تھے گرم رفتاری کو۔لانو
ائع ٹوپو کی جنگاہ میں تو۔" اور اس کے بعد جیسے دفعتاً پھر
سکتا نہیں تھا پیٹ میں سانس، کیا قالب کو ضم اک جھاڑ
کے ساتھ۔
ب میں بے تحاشہ بن کے اندر کئی درواسیاں کالی کلوٹی،
سبک پا، قاق، لول
ے رہا ہوں ابھی زنجیر سے سگ ہائے تازی، جو نیچے پالتی
مارے ہوئے تھا
ئے کھاگ، کر کے تکا بوٹی وہ اس کے لے اڑیں ایذائی اعضا
ے رہبر نے بازو سے پکڑ کر مجھے اک جھاڑ کے پیچھے گھسیٹا،
پنے زخمہائے خونچکاں سے سراپا محوِ ماتم رائیگاں تھا۔
ے سنٹ اندریا کے گائی کومو" وہ چلایا "تجھے کیا فائدہ ہے
ب مجھے جو اوٹ تو نے؟ حیات بد کا تیری کونسا جرم
ہے مثل بازگشت اب مجھ پہ طاری؟"
توقف اس نے جب چندے کیا تو مرے رہبر نے پوچھا:
"کون تھا تو

بنیلہ: جنگلی سور
اصیر: شکار

LANO: شہر سین کا ایک شخص، اسراف کے سبب کنگال ہو گیا، پھر ٹوکو کے مقام پر خود یقینی موت کے منہ میں چلا گیا۔

درواس: پہاڑی کتا۔ MASTIFF (تانیث)

فضول خرچی کے سبب کنگال ہوا اور خودکشی کی۔

بتا، جو اس طرح پر جا بہ جا سے لہو میں لفظ لفظ اپنا ڈبو کر
نفس کو گر رہا ہے یا تمہیں نطق ؟"

جواباً وہ : " بڑی بروقت روح ہو، اری تم آن پہنچی ہو کہ بھانپو
بتا ہی شرمناک ایسے جو پتے مرے مجھ سے جدا ہونے لگے ہیں۔
سمیٹو، اور لا ڈالو انہیں تم حزیں بالو شجر کے پاؤں پر یاں
توجہ سے، مرا قریہ وہی ہے کیا تھا جس نے بپتسمی سے اپنا
نخستیں قدرداں تبدیل، جو پھر اسی پاداش پر اپنے ہنر میں
نہ ٹھہرے گا عمل پیرا ہے وہ اسی کی واژگونی کے لئے۔ اور
نہ رہ جاتے اگر باقی کچھ آثار گزرگہ پہ (ندی) ارنو کی اس کے،
اہالی وہ جنہوں نے بار دیگر فصیلیں شہر کی تعمیر کر لیں،
کھنڈر جن کو اٹیلا نے کیا تھا، مشقت کا فضول ارمان کرتے۔
پس اپنی چھت سے لٹکایا تھا میں نے خود اک
پھانسی کا پھندا جان لیوا۔"

مریخ کی جگہ ولی جان بپتسمہ کے ہاتھ پر بیت کر لی۔
MARS :

واضح نہیں کون شخص تھا۔

کینٹو (۱۴)

زیریں طاس ___ ساتواں طبق _ طبیلہ سوم

تلخیص : اب وہ ان طبیلوں میں تیسرے کی دہلیز پہ ہیں۔
جو ساتویں طبق کا حصہ ہیں، یہ خشک و تپاں ریت کا وہ منطقہ ہے

جس میں تین نوع کی جارحیتیں ماخوذِ عذاب ہیں — یعنی خدا کے خلاف، فطرت کے خلاف، فن کے خلاف۔ ان گناہوں کے مرتکب آگ کی پھوئیوں سے بھُن رہے ہیں کہ موسلا دھار ان پر برس رہی ہیں۔ خدا کے خلاف متجاوزین میں کپانیس کو دیکھتے ہیں کہ اسکی شان میں کفروسفوات بکے جاتا ہے۔ آگے بیابانِ خود کشاں میں، بائیں مڑ کر قدرے مسافت کے بعد ان کا گزر اک جمے ئے خوں پر ہوتا ہے جو دشت سے ابھر کر ریگزار میں بہہ رہی ہے۔ ورجل ہمارے شاعر کو ایک عظیم الجثہ قدیم مجسمے کی روایت سناتا ہے جو کریٹ میں کوہ ایدا پر کھڑا ہے۔ اس کی ایک درز سے آنسو ٹپکتے ہیں جن سے پہلے تو یہ ندی بنتی ہے اور پھر جہنم کی تین آبجوئیں روپ دھارتی ہیں۔

ہوا جب موجزن سینے میں، میرے وطن کا بندل جھٹ میں نے سمیٹے

وہ بکھرے پات اور لوٹائے اس کو، گلا جس کا رندھا تھا لوٹنے سے،

ہم اس حد پر نکل آئے طبیلہ جدا جو دوم کرتی تھی سُوم سے،

مکافاتِ عمل کا عدل جس جا سماں ہیبت فزا منظر نما تھا۔

برادل دیکھنے میں آئیں اشیا، بدیہی تا کہ ہوں وہ آشکارا

کروں میں یہ بیاں، آئندہ کیسے ہم آئے تھل میں کلر طاس

جس کا

ہر اک سبزہ کو بیگانہ کئے تھا۔ بیاباں ماتمیں لہرا رہا تھا ہر سو
بدھیاں جو گرد اپنی۔
کئے تھی اس بیاباں کا حصار اک فسردہ خندقِ گستردہ جیسے۔
قدم واں عین حد پہ ہم نے روکے، کثیف و سوختہ بالو کا رقبہ،
بسیط اک
یہ مشابہہ انتہائی اسی مٹی کے، پہلے جس کے اوپر رہی تھی پائے
کیٹو کی کبھی گشت — (MARCUS PORCUIS) CATO ۹۵ تا ۴۶ ق م، مدبر و رواقی فلسفی
فلک کا انتقام۔ اف تجھ سے مانگیں پنہ۔ سارے کہ پڑھتے
ہیں لے جو
مری آنکھوں نے نظارہ کیا تھا۔ مجھے ریوڑ نظر آئے کئی ایک
ان ارواحِ برہنہ کے، جو ساری بڑی رقت سے مصروفِ فغاں تھیں،
— بصد عنوانِ ماخوذِ مکافات؛ کہ چند ان میں زمیں پر چت
پڑی تھیں۔
دبک کر تھیں نشستہ چند نزدیک، دواں دیگر تھیں پیرامون
پیہم یہ خیلِ آخری خاصا زیادہ،
وہ کم تر مبتلا ایذا میں لیکن بہت بڑھ کر تھے فریادی الم میں۔
سندھکتی پھوٹیاں اگنی کی پراں بتدریج آکے افتاں
ریگ پر تھیں،
کہ مانو، قلۂ ایلپائنی پہ سوں گالے برف کے ساکن ہوا میں، — ایلپس کی
کہ ہندی خطۂ حارہ میں گلخن گھگھتی لپٹوں کا، فرزند عمن نے نزول — AMMON مصری دیوتا
اپنے لڑا کا دل پہ دیکھا، — ایمن الرّامی

وہ باریدہ زمیں پہ بے تحاشہ، جہاں اسکو خیال آیا کہ اپنی اسی

= زیوس اور جوپیٹر کے

سینا سے دھرتی روند ڈالے۔

ہوئے تھے سہل وہ شعلے فرو یوں — وہ جب تھا یکہ و تنہا، اسی طور

امراگنی مہاوٹ پڑ رہی تھی، دہکتی تھی کھٹیلی جس کے نیچے،

کھٹیلی: چونا ملی مٹی،

چڑھا ہو جس طرح چولہے پہ سالن، دوگونہ درد میں جس سے

اضافہ،

مسلسل چل رہے تھے ہاتھ بدبخت 'اِدھر کو اب' اُدھر کو تاک کر تب

تمازت کو جھیلیں یوں دمبدم جو پڑے جاتی تھی واں تازہ بتازہ۔

کیا آغاز یوں میں نے: " اتالیق! رہا ہے جو تمام اشیاء پہ حاوی

سوا ان تند عفریتوں کے، بڑھ کر کئے تھے در جنہوں نے بند

ہم پر؛

بتا روحِ کلاں ہے وہ پرے کون، پتہ لگتا ہے جل بھننے کی جستجو

ذرا پروا نہیں — بس اینٹھتی ہے بڑی نخوت حقارت سے

کچھ ایسی

گھمس آندھی سے گویا دورسہ ہو۔"

دورسہ: کچا پکا

وہ جھٹ خود جان کر، دریافت میں نے کیا تھا اس

کی بابت راہبر سے،

پکارا: " میں کہ زندہ تھا تو ہم جوں، زجاں رفتہ بھی میں اب ہوں

تو ہم جوں۔

کرے ہلکان کاریگر کو اپنے اگر برجیس، جس سے چھین لی تھی

JUPITER

صواعق مشتعل ہو کر، وہی جو گرائیں اس نے مجھ پر واپسیں دم،

کرے ہلکان گر اوروں کو بھی وہ بھریں لوہار گھر میں اپنے اپنے
مشقت کبکہ باری سے، پکارے وہ جب چلّا کے موبخی باٹو میں
"مدد کر اچھے ملسیبر مدد کر، فلجری معرکہ میں بیش ازیں بھی
دہاڑا جس طرح، اور تاک کر خوب نشانہ رعد کا مجھ پہ لگائے، وہ
پورے زور سے
تو انتقام اب مکمل دے نہیں تسکین اس کو۔" مرا رہبر تب ایسے
گرج کر، جو
نہیں لہجہ سنا تھا پہلے اس کا کبھی میں نے: "کپانی اس عقوبت
تجھے اس ہیں زیادہ مل رہی ہے
گھمنڈ اب تک جو یہ تیرا ہے موجود فرو نا کر وہ، جز تیرے غضب کے
تناسب میں اذیت تھی نہ کوئی ترے اس جھانجھ جھنجھٹ
کے برابر۔"

جھانجھ: غصہ

مڑا میری طرف پھر اور گویا ملائم تر زباں سے وہ:
"یہ ان سات
جہانداروں میں سے اک ہے جنہوں نے فصیل تھیبز کا نرغہ
کیا تنگ؛
نظر اس وقت بھی آتا ہے جیسے، خدا کو تب یہ خاطر میں لایا
اور اسکی کاملہ قدرت کو یکسر خیال اس نے کیا مثل پرکاہ۔
مگر جیسا اسے میں نے جتایا، طبیعت کینہ ور زیور ہے زیبا
اسی سینہ کا، جس پر یہ پڑا ہے۔
چلا آ میرے پیچھے، دھیان رکھیو نہ دھر لو تپتے بالو پر ابھی پیر

نگار ہیو را بر ساتھ بن کے۔" خموشی سے روانہ اس طرف ہم
کنارِ دشت سے چھوٹا سا جھرنا جہاں اک پھوٹتا تھا، ارغوانی
وہ جس کی لہر تھی،
وحشت سے اب تک کھڑے کر جائے میرے رونگٹے جو۔
مثیلِ آبِ نیز، اک گھاٹ جس کا مقامِ لہو لعب ایسا کہ مخصوص
زنانِ فاحشہ کے واسطے ہے،
رواں جو لہو کی کم بہا ہے، دواں تھی میانِ ریگ یہ بھی، تنگ پیوند
ہر اک تٹ اور تہ، اک اک ڈھیر سی کناروں پر تھی جس پر نہیں دیکھی
اب اپنی راہ جاتی ناک کی سیدھ۔
"تجھے اب تک کرائی سیر جس کی، اسی پھاٹک سے ہم
پہلے ہوئے تھے
جہاں داخل، نہ جس دہلیز پر تھی کوئی قدغن، نہیں ہے قابلِ دید
مقام ایسا ہے جیسی آبجو یہ،
ابھی جو دیکھ آئی ہے تری آنکھ، اسی میں ضم ہے یہ اگنی کی بوچھاڑ"
وہ رہبر یوں سخن راں، ملتجی میں بڑھائی تھی تجسس کی
اگر بھوک
مہیا بھی کرے چارہ کہ اسکی ہوس فاقہ میں افزوں اس قدر تھی۔
جھٹ اس نے ابتدا کی: "بیچ منجدھار سمندر میں ہے اک اقلیمِ ویراں
کریٹ اس کا تھا نام، اک تاجور کے قدیم ایام میں زیرِ نگیں۔ واں
تھی نیک و پارسا آباد دنیا۔ وہیں کہسار کا اک سلسلہ ہے،
جو ابدا سے ہے موسوم اور کبھی وہ ہوا کرتا تھا شادِ آب و سبزہ۔

BULICOME
ایک چشمہ جس کے گھاٹ پر
چکلہ تھا۔

مگر اک ہو کا عالم اب وہاں ہے، زحل کی زوجہ ریحہ نے کیا تھا
یہ خطہ منتخب گہوارہ مخفی، جہاں بیٹے کو وہ چوری سے پالے،
دبا دیتی تھی اپنے شور و غل میں وہ اس معصوم کی کلکاریاں تک۔

پراچین - دیرینہ

وہیں اس کوہ کے اندر کھڑی ہے سراپا اک مہا مورت پراچین
جھکائے شانے سوئے دامیاتہ، اسی مانند وہ روما کے اوپر
جو اس کے آئینہ میں منعکس ہے۔ زرِ خالص سے سر ترشا ہوا ہے،
کھری چاندی کی چھاتی اور باہیں، کمر تک آئے پیتل اور نیچے
دھڑ اس کا آبدار آہن کا سارا۔
تھا جو آدھے کا پکا داہنا پیر، زیادہ دوسرے کی نسبت اسکے
سہارے ہی پہ وہ سیدھا کھڑا ہے۔
طلائی کے علاوہ حصہ ہر اک تڑخ کر جا بجا سے رہ گیا تھا۔
مقطر اشک اکٹھے درز میں، پھر بنا کر کھوہ کے اندر سے رستہ
بہیں اور تیز اتریں ٹیکری سے، وہ ڈھالے روپ، ایچرون

ACHECRONSB
PHLEGFTION

اور شکس اور فلیجی تھیون کا، پھر تنگنائے
گزر کر اور نیچے، بلکہ سب سے تلے کی تہہ میں بن جائے کسی ٹس،
وہ جس کی جھیل (تو خود دیکھ لیجو) نہیں تجھ سے کہوں تفصیل اسکی"
اسے تب میں: " اگر دنیا سے اپنی بدررو اس نمط
دریا سے یاں
تو ہے کیوں کر ہمیں یہ اس کگر پر نظر یوں آتے" ؟ وہ فوراً جوابا:
" تجھے معلوم ہوئے ہے یہ جگہ گول، اک حصہ گرچہ تو نے طے کیا ہے
مگر باقی ہے بائیں پر ڈھرا اتنا، ابھی پورے کرے کے گرد تو نے

لگایا ہی نہیں چکر، لہٰذا

دکھائی دے نیا کچھ بھی اگر تو نہ ہو تیری نظر میں حیرت افزا۔"

مرا اس سے یہ استفسار تب: "ہیں رواں کس جا فلیجی تھیوں اور لیتھ — LETHE

کہ اک کی بات ہی کرتا نہیں تو، دگر کے باب میں کہنا ہے تیرا

کہ یہ اس جھیل جھالے سے بنی ہے" جواب اس نے دیا:

"بے شک ترے سب

سوالوں سے بہت محظوظ ہوں میں۔ وہ جوشاں رود سرخ

البتہ تو نے

قرار اس کو دیا ہے جو وہی ہے۔ رہی سو لیتھ بھی تو دیکھ لے گا،

نہیں اس کھو کھلے کھادر میں لیکن، جہاں روحیں نتھرنے کو رواں ہیں — اعراف

پر اپنے پچھتاوے سے جن کے پاپ ہوں صاف۔" مزید اس نے کہا:

"ہے وقت اب یہ

بیاباں چھوڑ کر، چل دیں یہاں سے، مرے نقشِ قدم پر تو چلا آ،

بڑا محفوظ رستہ ہے ڈہر کا، مزاحم واں نہیں شعلے کہ ابخر — ڈہر: رستہ جو پیدل چلنے سے بن جائے۔

ہے ناپید ان کے اوپر سے سراسر۔"

○

کینٹو (۱۵)

طاس زیریں — ساتواں طبق — طبیلہ ایضاً

تلخیص: کئی دمدموں سے وہ ایک پر گامزن، کہ اس

ندی کا کنارہ بناتا ہے جس کا ذکر پچھلی فصل میں ہوا، اتنی
دور نکل جاتے ہیں کہ پلٹ کر دیکھیں تو وہ بیابان نظر نہ
پڑے۔ انہیں روحوں کا ایک طائفہ ملا جو پشتہ کی طرف
سے ریت پر چلا آتا تھا۔ یہ وہ تھے جنہیں فطرت کے ساتھ
سودائے پیکار رہا، ان میں دلنتے اپنے سابق معلّم برنتو
لاتینی کو پہچان لیتا ہے، پیچھے رہ کر وہ اس سے محوِ کلام ہوتا
ہے اور یہی باقی کینٹو کا موضوع ہے۔

کئی ہیں، اک ڈھیر تختہ ہمیں اب لئے چلتی ہے اس
ٹھہرے ہیں ملفوف
جو منڈلاتا تھا اوپر آبجو سے اُبھر کر، آگ سے کرتا تھا محفوظ
ستونوں اور پانی دونوں ہی کو۔ فلیمنگ ویسے کرتے ہیں تیار
FLEMINGS GHENT / BORGES میانِ گھنٹ و برجس تا دھکیلیں سمندر کو پرے ہو کر ہراساں
وہ اس کے سیلِ پُر آشوب سے جو کیا کرتا ہے ریلا اُنکی جانب۔
یونہی پھر یا کیا کرتے ہیں اپنے برنتہ کے قریب اہلِ پڈوا،
CHIORENTANA بچائیں تا کہ اپنے قصر قصبے کہیں پہلے تپاں حدت عزیزی
الپس کی ایک چوٹی کیارنٹی کی چوٹی پہ ہو محسوس۔
تھیں گِل انداز یاں برساختہ یوں، اگرچہ ارتفاع و حجم میں وہ
BRENTA
جہاں سے نکلتا ہے۔ نہیں تعمیر کیں ان کے مساوی یہاں پر جس نے سمار نے بھی
اٹھایا تھا انہیں۔ ہم دور اتنی
بیاباں سے نکل آئے تھے، مڑ کر بھی شاید وہ نظر آتا نہ مجھ کو

ملا ارواح کا ایک طائفہ جب چلا آتا تھا جو دھوڑے دوالے

سبھی ان میں ہر اک نے ایسے دیکھا ہلالِ نو کے نیچے
شام کے وقت

کوئی اوروں کو دیکھے، پھر نظر تیز، ہماری سمت کی، پُرسال
درزی

ٹکائے سوئی کے ناکے پہ جیسے ۔ بخوبی جائزہ اس طائفے میں
جو سارے لے چکے

پہچان کر ایک، پکڑ دامن سے مجھ کو یوں پکارا: "عجوبہ ہم یہاں
پاتے ہیں یہ کیا؟"

مری جانب بڑھا جب ہاتھ اس کا، بغور اسکی پھٹی نظروں کے اوپر
کیا مبذول اپنا فکر میں نے کہ تھیں ہر چند وہ آتش چشیدہ

نہیں مانع رہیں، یاد آگیا وہ، جھکا کر اس کے رُخ پہ ہاتھ اپنا،
جواباً یوں کہا: "قبلہ برنٹو! جناب اور اس جگہ کیا ماجرا ہے؟"

مجھے وہ یوں: "مرے فرزند تجھ کو نہ ہو گر ناگواری، ساتھ ہولے
برنٹو لاٹنی تیرے ذرا دیر، پلٹ کر چھوڑ دے ہمراہیوں کو، روانہ
وہ رہیں رستہ پر اپنے۔"

جواباً میں اسے: "ہے عرض میری، مرے جو بس میں ہو وہ حکم فرما،
اگر منشا ہے تیرا اس جگہ ہی میں تیرے ساتھ بیٹھوں۔

اس پہ لبیک،
اجازت مانگ لوں پہلے مگر میں سفر پہ ہوں روانہ ساتھ جس کے"

"مرے فرزند!" وہ کہنے لگا، "جو رکا دم بھر کو پیچھے

دھوڑے : ٹیلے

کارواں سے

تو صد سالہ پڑے گا دور اس سے کبھی بھی مور چھل کو یہ نہیں تاب
جلن ٹھنڈی کرے جھلسے اگر آگ، بس اپنی راہ پر تو گامزن رہ،
قدم زن ہیں تری پوشاک کے ساتھ، پھر اپنے قافلے سے جا ملوں گا'
چلے جاتے ہیں روتے پیٹتے جو قضا الامرِ بے پایاں کو اپنی۔"
ہوئی جرأت نہ میں اُتروں ڈہرے، برابر ہمسفر
میداں میں اسکے،
کئے خم سر ہوا ہمراہ تاہم کوئی جیسے مؤدب جادہ پیما۔
"یہاں تجھ کو لئے تحت الثریٰ میں دم آخر سے پہلے پھر رہا ہے
قضا یا سانحہ کیسا! ہے یہ کون جو تیری رہنمائی کر رہا ہے؟
وہ یوں بولا تو میں اسکو جوابا؛" وہاں بالا حیاتِ بے طرب میں
میں اک وادی میں سرگرداں تھا۔ جب ابھی پورا نہیں تھا
وقت میرا،
مگر کل دن چڑھے میں واں سے نکلا، پلٹ کر پھر اسی وادی
کو لوٹا،
ہوئی اس سے ملاقات اور اس راہ مجھے واپس لئے جاتا ہے گھر"
کہا اس نے:" اگر تو ہے روانہ مگر اپنے ستارے کے جلو میں
تو ممکن ہی نہیں ہو جائے اوجھل مآل کار اک عرشِ معلیٰ۔
اگر ایام خوشتر میں مری سوچ نہ لغزش کھائے۔ اور میرا مقدّر
چکا دیتا نہ مرا فیصلہ جلد۔ ترے حق میں کرم ارزانِ افلاک
تماشہ کر کے میں طیب دلی سے بٹاتا ہاتھ تیرے مرحلے میں۔

فیسول سے ماضی میں وارد ہوئے جو لوگ بے مہر و جفا جو
اڑی کھترے پن کی جن سے اب تک بھبک آتی ہے تیری دشمنی پر
بستہ وہ ہو جائیں گے تیرے نمایاں کارناموں کی جلن سے۔
نجا کس لئے، جچتا نہیں ہے کرے میٹھا درخت انجیر کا گر
باری گھنونے کیکڑوں میں۔ پرانے تذکروں کی رُو سے وہ تو
بدنامِ زمانہ ــــ ناتواں ہیں، حریص و خود پسند و بغض پرور۔
محتاط، اس کا دھیان رکھیو نہیں آجائے تجھ میں ان کی خو بو

قسامِ ازل نے تیرے حق میں وہ اعزاز و نصیبہ لکھ دیا ہے
ہے کھینچے گی خواہاں ہر جماعت بڑا بے اختیار اپنی طرف کو۔
ہے یہ شفقتِ تازہ پرے ہی ہری چگ بکریوں کی بھوتھنی سے۔
ہے یہ غول فیسولی تو اک جھول، لگائے بھی نہیں پودے کو منہ تک
اب بھی لہلہائے کوئی ایسا بساندی کیاری میں اگی جہاں عود
ہے وہ تخمِ پاکیزہ، ہوا جو حقیقی رومنوں سے منتقل؛ ــ وہ
ان کے باقیاتِ صالحہ ــ جب بنا یہ واہیاتی کا ٹھکانہ۔"
جواب اس کو براہِ راست میرا: "مری یکسر بر آئی تمنا،
گوشہ ہائے طبع آدمی میں کبھی پڑتا نہ مدھم نقش تیرا،
تو محفوظ میرے حافظہ میں؛ مرے دل میں سو اب جلوہ گر ہے
پیارا، مشفقانہ عکسِ پدری، ہمیشہ جس طرح تیرا رہا تھا،
بھی آموزگار اس امر کا تو مجھے جب تھا دوامِ انساں کرے تو
جر بیٹے پر جہاں کے ثبت کیسے؟
تو جی کو مرے کیسا لگا یہ، روا مجھ پر تو جب تک جاں میں جاں ہے

(کینٹو ۱۰) میں فرنٹیٹا کی پیشگوئی سمیت

یہی آموختہ وردِ زباں ہو۔ میری تقدیر کی جو پیشگوئی یہ کی تو نے
لکھے لیتا ہوں وہ میں
اسے پھر ایک دیگر متن کے ساتھ، برائے تبصرہ، اس کے لئے جو
بہشتی حور واقف ہے یقیناً۔ اگر بخت رسالے جائے اس تک!
تجھے لیکن صریحاً عرض کر دوں ضمیر اپنا اگر نادم نہیں ہے
کسی بھی کردنی ناکردنی پر مزاجِ یار میں پھر جو بھی آئے
سرِ تسلیم خم ہے۔ جو دکھائے، مجھے تقدیر سو ناچار دیکھوں۔
بھلی ہے یا بُری، تیار ہوں میں تری یہ خیر اندیشی نئی ہے نہ یہ
نادر مرے کانوں کے حق میں۔
قضا رفتارِ گردش تیز کر لے، رضا جو ہے، کرے وہ بے توقف
سنبھالے گرز کو نقال۔ ہر کس برائے خویش اندائے بدارد!!
ذکی رہبر مرا، دائیں طرف سے مری جانب پلٹ کر
تب یہ بولا؛
گرہ میں باندھلی ہے بات جس نے، سنی، جانو یہ اس نے
کان دھر کے۔''
تامل تھا نہ اپنی راہ لوں میں، برنٹو سے ابھی جاری سخن تھا،
یہ پرسیدہ کہ اس کے قافلے میں گرامی اور نامی کون سے تھے۔
کہا اس نے، ''بھلے سے ذکر کچھ کا مگر اوروں پہ خاموشی بھلی ہے
ہمیں پھر وقت بھی مہلت نہیں دے، مزید اس گفتگو کو دے
سکیں طول۔
تجھے یہ مجملاً بتلاؤں سارے دبیر اربابِ دانش، نامور تھے

بس اک ہی عیب میں لت پت جہاں میں، پر بس سیاں انہی
کے ساتھ ہے اور
فرانسکو، اکرسو کا پسر بھی، اسی غولِ زبونی کا قمرغہ۔
اگر سودا ہوا ہے تجھ کو ایسے نجس منحوس کا، تو عین ممکن ترا
ہو جائے اس سے سامنا بھی۔
جسے خدام کے خادم نے تبدیل کیا ازنوں کی گدی سے، بچلگون،
جہاں بے جا تناؤ کے سبب سے جواب اعصاب اس کے
دئے گئے تھے۔
مزید اس پر اضافہ میں کروں تو، مگر لازم یہی رک جاؤں یکساں
سخن سے اور آگے رہبری سے۔
دکھائی دے رہا ہے دور مجھ کو غبارِ راہ تازہ بادیہ میں
نیا اک قافلہ آنے کو ہے یاں، رفاقت جو نہیں مجھ کو سزاوار۔
تجھے ہے مشورہ تصنیف میری "خزینہ"، پڑھ کہ ان اوراق میں تو
مجھے پائیگا پائندہ ہمیشہ — مری تجھ سے گذارش بس یہی ہے"
یہ کہہ کر وہ مڑا اور پھر وہاں سے ہوا یوں ہو گیا،
یاد آئے بانکے
جو ویرونا کے میلے میں بدیں شرط، عبائے سبز کی خاطر
دوڑیدہ،
پھر ان میں بھی مثیل اس برق پا کے نہ ہارے جو مگر
انعام جیتے۔

ماہر نحو PRISCIAN

ACCORSO —
متوفی ۱۳۲۹ء، رومن قانون کا شارح۔

BACHIGLIONE
وینزا اس کے کنارے پر شہر تھا جہاں انڈریہ ڈموزی کو پوپ نے فلورنس میں تبدیل کیا تھا، وجہ متن میں ہے۔

"TRESOR"

کینٹو (۱۶)

زیریں طاس — ساتواں طبق — طبیلہ سوئم ایضاً

تلخیص: اسی پشتہ کے ساتھ ساتھ روانہ، جو ریگذار میں سے گزرتا ہے، وہ اب آخری حد پہ آنکلتے ہیں جہاں آب رود کا شور صاف سنائی دے رہا ہے، جو آٹھویں طبق میں گرتی ہے۔ وہاں تین لشکریوں کی روحیں ملتی ہیں۔ دانتے کے لباس سے بجا قیاس آرا کہ وہ ان کا ہموطن ہے۔ اسے ٹھہرا کر باہم گفتگو ہوتی ہے۔ اس کے بعد دونوں شاعر اس مقام پہ پہنچتے ہیں جہاں پانی نشیب میں بہہ رہا ہے۔ ساتویں طبق میں طبیلہ سوئم کی یہ انتہائی سرحد ہے، یہاں ورجل دانتے کی کمر سے رسی کھول کر نیچے گڑھے میں پھینکتا ہے، اشارہ ملتے ہی ایک راکھشس تیرتا ہوا اوپر ان کے پاس آجاتا ہے۔

اب آیا میں، سنائی دے رہا تھا جہاں شور اس پانی
کا نیچے
وہ جب دیگر طبق میں گر رہا تھا کسی مکھیاں کی سی بھنبھناہٹ
کی یہ گنجار۔
آئیں سامنے واں، اکھٹی ایک دل سے، جو روانہ اذیت ناک

سیلِ تند میں تھا،

نکل کر تین روحیں تیز پویا۔ ہماری سو بڑھیں وہ اور ہر اک
یہ چلّا کر پکاری: "او ٹھہر جا، قیاس اندازِ جامہ سے ہمیں ہے
یہ بندہ تو مگر باشی ہے کوئی خراب و خوار دھرتی کا ہماری"۔
مری تو بہ! لگے دیکھے تھے میں نے لپٹ سے آگ کی، اعضا
پر ان کے
پرانے اور تازہ گھاؤ کتنے، ملال آتا ہے اب بھی یاد کر کے۔
وہ یہ بولا: "توقف چاہیئے اب تقاضا اپنی خوش خلقی کا یہ ہے
وگرنہ اس جگہ تو ہے یہ عالم — اگن بانوں کی جو یورش یہاں ہے۔
مرا یہ مشورہ ہوتا کہ عجلت تجھے درکار ان سے بیشتر تھی"۔
رُکے جب ہم کیا برپا انہوں نے وہی پھر اپنا واویلا پرانا
اور آتے ہی ہمارے پاس تینوں اکھٹے مضطرب چکر میں گھومے۔
پہلوانوں کا جیسے قاعدہ ہے لنگوٹی میں وہ چکنا تیل چپڑے
کھڑے ہوں تاڑ میں ایسی جگہ کی لگے داؤ پڑے واں ہاتھ پکا،
کہیں پہلے کہ دنگل میں گتھیں وہ — اسی صورت ہر اک جس
وقت گھوما
کیا چہرے کو اس نے میری جانب کچھ اس انداز سے جنبیدہ،
گردن مقابل ڈگمگاتے پاؤں پہ تھی۔
ہوئی یوں ایک گویا: "گر ہماری فسردہ کیفیت پر
مستزاد اس
بیابانِ کج و تیرہ کی افتاد چلے جاتے ہیں یوں شعلوں سے جسمیں

حقارت کا جواز لامحالہ ہمارے واسطے ہے اور ہماری گذارش
کے لئے بھی۔ نامداری
ہماری ہی تجھے ترغیب دے یہ کہ بتلائے ہمیں تو کون ہے، جو
یہاں خاکِ جہنم پر کئے ثبت چلا جاتا ہے زندہ پیر کے نقش،
ذرا ایذا انہیں لیکن پہنچتی۔
وہ جسکی رہ پہ تو پاتا ہے مجھ کو قدم زن، اب برہنہ اور ہنیا
سہی، محرومِ کُلّی "بیشتر تھا کہیں عالی حشم تیرے گماں سے۔
نبیرہ پاکدامن گل وزد کا، گڈو گویرا کہا کرتے تھے اس 'کو'
حیاتِ عارضی میں جس نے اپنی ستائش کے کئی اک کارنامے
کئے تدبیر اور شمشیر کے ساتھ ۔ دگر مجھ سے الگ وہ ریگ کہ یاں
ہے الدب راند جس کا نام نامی سزاوارِ شرف بالا جہاں میں۔
شریک اس ابتلا میں ان کے ہمراہ میں رسٹی کو کسی ہوں، جسکو
بیشک
مری بیوی کی خصلت وحشیانہ، کسی دیگر خرابی سے زیادہ
یہاں لاتی ہے، اس حالِ زبوں تک۔" اگر مامون رہتا آگ
سے میں
تلے جھٹ خود کو ان میں پھینک دیتا۔ مری دانست میں
رہبر بھی میرا
مجھے رکھتا نہ اس اقدام سے باز، مگر وہ بے محابا سوز کا خوف
مرے اس ولولہ کو کر گیا سرد،
ہوا تھا اس قدر مشتاق ورنہ کہ ہو جاؤں بغل گیر ان سے بڑھ کر۔

ہنیا (ٹیٹھ) کم وقعت

GUALDRADA

عہدِ وسطیٰ کی ایک پاکدامن حسینہ جسنے شہنشاہِ وقت کی پسندیدہ نظروں کو قبول نہ کیا

GUIDOGURERA
ALDOBRANDI
RESTICUCCE.

کہا میں نے حقارت کی نہیں بات، وفورِ غم ہے یہ، جس کا مداوا
مرورِ وقت سے امکان میں ہے۔ تمہاری بدنصیبی پر دگرگوں
مجھے اندیشے سے بالکل کر گیا تھا۔
ابھی جب تھا مرا رہبر سخن سنج ہوا تھا اس کے ہی انداز سے یہ
مجھے اندازہ، تم ایسے ہی کچھ لوگ مگر میرے کہیں نزدیک تر ہیں۔
تمہارا ہموطن ہے کر رہے ہو تم اس اخلاص کا اظہار جس سے۔
کیا ہے ذکر اپنے نام نامی، گرامی کارناموں کا بھی تم نے۔
تجھوں تلخی بر شیریں کو جاؤں، بشارت معتبر رہبر کی مجھ کو،
مگر درکار ہے پہلے کہ پہنچوں پرے واں وسط میں پایاں تک تو۔"
اب اس کا یہ براہ راست پاسخ "کرے تا دور تیری
روح یونہی
ترے اعضائے کل کی رہنمائی، تری شہرت کی تابانی فروزاں
سی صورت رہے رخصت ہو جب تو۔ ہمیں بتلائے گا اتنا کہ آیا
رہی ہے ریت اپنے شہر کی جو کبھی اخلاق و جرأت کی وہاں تھی،
کہ یا اب ہو گئی معدوم یکسر۔ ہمارے درمیاں تو ایک صاحب
ہوئے جو حال میں ماخوذِ شیون، ہیں وہ جو بورسیرے سامنے واں
خراماں ساتھ اپنے ناتیوں کے، خبر لائے ہیں اس بارے میں ایسی
نہیں جس پر ملال انگیز دل کم۔"

BORSIERE

ایک فلورنسی صاحب حیثیت شخص

"چھچھورا ایک دل، دھن ایکا ایکی، تکبر اور تجاوز او فلورنس!
ہوئے تجھ میں نمودار اس لئے تو ہے وقفِ ماتم اب باچشم نمناک"
اٹھا کر منہ پکارا اس طرح میں، جواب اس بات کو میری سمجھ کر
وہ تینوں ٹک ٹک ایسے دیکھتے تھے بھد یکر، کہ منہ دیکھا کرے ہیں

پڑے جب کان میں لوگوں کے یہ سچ بات ، وہ سب یکبارگی یوں
بول اٹھے ؛

" اگر یوں مطمئن ایجاز سے تو انہیں کرے جو مستفسر ہیں تجھ سے '
خوشنما ئے تو کہ بہرہ یاب ایسا ، کہ ہے برجستہ اظہارِ حقیقت ،
جب اس تیرہ کنڈ سے جائے محفوظ پلٹ کر دیکھنے رخشاں کواکب'
اعادہ خوشدلی سے جب کرے تو گذشتہ کا تو پھر ملحوظ رکھیو
ہمارا تذکرہ خلقت میں چندے ۔"

یہ کہہ کر دائرے کو توڑ کر یوں ہوئے جھپٹ وہاں سے
برق رفتار
کہ پیران کے سبک پر بن گئے ہوں ۔ ہوئے یوں پل جھپکتے میں غائب
کوئی ور آمین بھی کہنے نہ پائے ۔ مرے رہبر نے بھی لی راہ اپنی ،
چلا میں پیچھے پیچھے ، ہم بمشکل گئے ہونگے ذرا سی دور آگے
کہ پانی کی صدائیں آئیں ہم کو ، ہو جیسے ہاتھ بھر کے فاصلے پر ،
بلا کا شور ، سن سکتے نہیں تھے ہم اک دوسرے کی بات بھی ہم ؛
بس اس دریا کی صورت اول اول تو بے آمیز ہو جس کا بہاؤ
نکل کر کوہ ویسولو سے بائیں طرف کو ایپی نن کے ، سوئے مشرق
بلندی پر جہاں کہتے ہیں اسکو اکوا جیتا ، مگر پہلے کہ اترے
قریب فورلی کھاتی کے اندر ، نہیں اس نام سے مشہور رہتا :
کرے پھر سنٹ بینی ڈکٹ پر وہ روانی کی بحالی ، یہ لڑھک کر
تب اترے الپ کی چوٹی سے نیچے سراز یری پہ اور پھر پھیل جاتے
اک اچھے خاصے رقبہ پر کہ جس میں سما جائیں ہزار اک ۔ یونہی نیچے

R. MONTONI

M. VESOLU

ACQUACHETA

یعنی اس کا نام مان ٹان پڑجاتا ہے ۔

اک ان گھڑ ڈھال کے وہ رودِ تیرہ، گرجتی، دھاڑتی، گنجار کرتی

ملی واں، دھم گجر نے ایکا ایکی کئے جیسے ہمارے کان بہرے۔

تھی میرے پاس اک ڈوری، کسی تھی کمر کے گرد جو میں نے

کہ باندھوں

پکڑ کر سخت وہ گل وار چیتا۔ اسے جب آپ میں نے کھول ڈالا،

(مرے آقا نے جو دی تھی ہدایت) لپیٹی اور کی اس کے حوالے۔

وہ وائیں کو مڑا تب اور قدم کچھ دہانے سے کھڑے ہو کر پرے ہی

اسے پھینکا تلے گہرے گڑھے میں۔ کہا یہ میں نے جی ہی جی میں اپنے

مرے رہبر کی ہے یوں چشم مشتاق — بھلا محتاط ان اہلِ نظر سے

کوئی ہووے تو کیسے جنکی بینش نہیں افعال تک محدود رہتی،

وہ بلکہ زیرکی کے وصف کے ساتھ خیالوں میں بھی اندر جھانکتے ہیں۔

وہ بولا: "بس ابھی آئے گا جس کا تجھے ہے انتظار، اور آنکھ

تیری

تماشہ وہ ابھی کرے گی تیرا خیال اب خواب جس کا دیکھتا ہے"۔

ہمیشہ آدمی لب بند رکھے ۔ یہ ممکن ہو اگر، اس راستی سے

ملمع جھوٹ کا جس پر چڑھا ہو۔ اگرچہ یہ نہیں الزام کی بات مذمت

اس پہ بھی ہوتی ہے اسکی۔

خموشی یاں تو سعئ رائیگاں تھی۔ لہٰذا اب مجھے سوگند، قاری

ترے آگے انہی اشعار کی ہے، جواب نغمہ سرا ہوں میں، ہیں طور

انہیں آئندہ وقتوں میں میسر سندِ دائم قبولِ عام کی ہو۔

ہیولیٰ تیرگی منگھم فضا میں مجھے آیا نظر اوپر تیرتا،

جسے دیکھے اگر وحشت کے مارے بڑے جیوٹ کی بنفنیں چھوٹ جائیں۔

تھی وہ ہیئت کذائی کہ ڈئی جیسے پلٹ کر آئے، جو اترا ہو گہرا چھڑانے کے لیے لنگر اٹک کر کسی پتھر کے نیچے جو رہا ہو، کسی یا اور شے سے جو پڑی ہو تلے کھاری سمندر میں۔ اُبھر کے کھڑا ہو جائے جب تلوے جما کر۔

کینٹو (۱۷)

زیریں طاس ــــــ ساتواں طبق ــــــ ایضاً

تلخیص : عفریت جیرون کے حلیہ کا بیان جسے ورجل آمادہ کرتا ہے کہ انہیں پیٹھ پر بٹھا کر اگلے طبق میں لے جائے۔ دانتے اجازت لے کر گڑھے کے کنارے کنارے آگے نکل جاتا ہے اور طبیلہ کے اس حصہ میں ان گناہگاروں کو دیکھتا ہے جو غارتگرِ فن ہیں۔ پھر وہ استاد کے پاس لوٹ آتا ہے۔ دونوں جیرون پر سوار نشیب میں اترنے لگتے ہیں۔

"وہ عفریتِ مہیب اے لوکہ مہلک ہے جس کا نیش، جو روندے کہستاں

کرے مسمار سب بنیانِ مرصوص، الٹ ڈالے صفیں ہتھیار بند۔ اور
غلاظت سے جہاں سارا لتھڑ جائے۔" سنا کر یہ مجھے رہبر نے
اس کو

شارت سے کہا ساحل پہ آئے، رصیفِ سنگ بستہ کے سرے پر،
وا جھٹ عکسِ منحوس اس دغا کا نمودار اس طرح، خشکی پہ اس کا
ر اور بالائی دھڑ تھا آشکارا، نہیں ڈالا تھا دنبالہ ابھی
نارے پہ مگر اس نے ۔ مزین شباہت اک بھلے مانس کی رُخ پر،
اہر روپ مشفق رحم دل کا، بقایا وہ مکمل اژدہا تھا۔
یلے تھے بغل تک پنجے دونوں، مدار و عقدتین اس کے منقش
ر پر، پشت پر، پہلو پہ ہر اک ۔ تتار و ترک بو قلمون عمدہ
یں الوان خلعت پر کشیدہ مبادل کارچوبی سے کریں یوں۔
ھایا ہوا نو کھے راچھ ہی پر، نہ ایرکنی ہی نے ایسے ہنر سے۔
ے زورق بسا ساحل پہ جیسے لگی خشکی سے کچھ، کچھ آب میں ہو،
کش جس طرح یا وہ جہاں پر نہ دیدہ جرمنی وحشی سگِ آب لگائے
گھات اپنے صید کی ہو،
ے پر، کہ بالوں کے لئے باڑ کئے تھا ٹیکری سے ۔
یوں نشستہ
فریتِ خباثت، ہمک لگائے خلا میں، دُم اذیت ناک کانٹا
مائے ڈنک، اک بچھو کا بچھوا۔ مرا رہبر مجھے تب: "کاٹ
کر راہ
کچھ، دور اب جانا پڑے گا ابوالہول تک جو واں دھرا ہے۔"

رصیف: پٹڑی،

عقدتین: وہ دو نقطے جہاں مسیر قمر اور دائرۃ البروج کا تقاطع ہوتا ہے۔

کھڈی:
ایک ہنرمند جولاہی فن و حکمت کی دیوی ایتھنا سے بُنت بازی کا مقابلہ ڈھٹائی سے کیا تو اس نے مکڑی بنا دیا (اور بلاؤ)

پس اُس پر، ہم نشیبی سمت دائیں ڈھرسی اک بناتے،
بچ بچا کر
کھٹیلی چکنی مٹی اور لہب سے، کنگرے سے دس قدم پر گامزن تھے۔
جب اس کے پاس ہم پہنچے تو یک دم، ذرا آگے کھلا میری نظر پر
لبالب میں نشستہ ریگ پر ایک ہجوم ارواح کا، استاد میرا ہوا
فوراً یہ گویا:
”تا تجھے ہو وقوف اس کا مکمل کیا ہے موجود یہاں پر اس طبیلہ
میں، تو بڑھ کر
پڑھ ان چہروں پہ ہے جو کچھ نوشتہ، سخن کو طول لیکن دیجیو مت،
پلٹ کر آئے تو جب تک تو اس بیچ کروں گفت و شنید اس
سے، نوازے
وہ گردوں شِ توانا کی مدد سے۔“ طبق میں (ہفتمیں) تب اور آگے
اکیلا ہی بڑھا پایان تک میں۔ جہاں بیٹھا وہ خیل ماتمیں تھا،
امڈ پڑتے تھے کرب آنکھوں سے ان کی، چلاتے تھے وہ ہاتھ
اپنے کشاکش
خلافِ خاکِ محروق و بخارات۔ ابھی بھی جیسے تابستاں میں کتے
کبھی پیر اور کبھی جبڑے چلائیں، ہر پلو کر، چیچڑی پشے مگس سخت
انہیں جب بھنبھنا کر کاٹتے ہیں،
نظر کرتے ہوئے چہروں پہ کچھ کے، غم آگیں آگ کی
بوچھاڑیں جو
پڑے تھے، ایک بھی ان سب میں میرا انہیں تھا آشنا،

لیکن گلے میں

تھا آویزاں ہر اک کے اک خریطہ۔ بصد پیرایہ زنگا رنگ و منقوش

جنہیں گو یا وہ آنکھیں چاٹتی تھیں۔ پھر ان کے درمیاں اب

چار سو میں

نظر کرتا ہوا آیا، تو پایا وہاں اک زرد کیسہ، کام جس پہ ہوا تھا

(تتمہ) تھا فلورنس کے GIANFIG LIAZZI کا

لاجوردی۔

اور اس پر شبیہہ و چہرہ مہرہ شیر کے تھے۔ نظر کی سیر بینی کا وہی تھا

ابھی عالم، تو پھر یہ جا پڑی ایک دگر پہ جو لہو سے بھی للت تھی

سُرخ

وہی سے بھی سے سفید اس پر تھا اک ہنس، اور اک فربہ و

تتمہ تھا فلورنسی TIBBRIACHE

فیروزی سوّر کی

لئے پھرتا تھا تصویر اپنے ابیض میلکہ پر، ہوا مجھ سے مخاطب:

"ترا کیا کام ہے یاں اس الگم میں، چل اب ہو یہ تجھے معلوم، تو جو

(تتمہ) پڈوا کے SCRIVIGNI

ابھی زندہ ہے، یاں ہمسائگی میں مرے بائیں وتالیانو کی جا ہے

خلا

فلورنسی ہیں سب میں اک پڈوئی۔ مرے کانوں میں چنگھاڑتے

VITABIANO پڈوا کا

ہیں،

بسا بنکارتے ہیں: "وہ جلدی وہی بانکا شرف لائے گا یاں

فلورنس کا ایک سُود خور

جو ہمیانی پہ اپنی بکریاں تین۔" یہ کہہ کر اس نے منہ اینٹھا، زباں کو

گلوواتی بجامونٹی

گھمایا اس طرح باہر کہ جیسے اک ارنا اپنے نتھنے چاٹتا ہے۔

مبادا دیر تک میرا توقف گراں اس پر کہ تھی جس کی یہ ہدایت

زیادہ مت رکوں، لوٹائے اپنے قدم ان غمزدہ روحوں سے

میں نے۔

مرا ہمسر مجھے پہلے سے اسوار بلا ڈھنگنے یہ وحشی جانور کے پہ بیٹھ

بڑھائی اس نے ہمت اب مری یوں: "قوی رکھ قلب، مضبوطی سے

ٹک جا،

ہے آڑا جو اُترنا ہے کڑا اڑا، مناسب ہے مرے آگے ہی تو بیٹھ،

گو، ندا اتنی سی بھی پہنچائے تجھ کو مجال اُس دُم کی پھر بالکل نہ ہوگی؛

رہے گی درمیاں میں آڑ میری۔" تپ لرزہ کی باری کا ہو دن اور

پڑیں پہلے ہی سے ناخون نیلے کہ یکدم کپکپی چھوٹ جائے، دیکھے

اگر بیمار معمولی سی چھاؤں، مری بھی کیفیت بالکل یہی تھی،

پڑے جب کان میں الفاظ اس کے۔ بروئے کار لائی آن، لیکن

جھٹ اپنا وار، خانہ زاد کو جو دیا کرتی ہے جرأت پیش خواجہ۔

چڑھا اس چوڑے چکلے دوش پر میں، ضرور اس وقت یہ کہتا،

نہ الفاظ

مگر معنی طرازی کر سکے کچھ۔ "مجھے، ہاں دیکھ کس کر تھامنا تو۔"

نہ تھا احساس کچھ پہلے پہل گو مجھے اس کے سہارے کا، مگر میں

ہوا اسوار جونہی بڑھ کے جکڑا مجھے باہوں میں خوب اس نے

چمٹ کر۔

یہ پھر گویا ہوا: "جیرون اب چل، رہے اس خوب خاصے دائرے میں

ترے دوروں کا دورہ، اور ہو سہل تری اترائی، لیکن دھیان رکھیو

ہے پشتارہ نرالا اب کے تیرا۔"

ہٹے خشکی سے، چھوڑے گھاٹ جیسے کوئی چھوٹا شکارا،

یوں وہاں سے

رہا ہو کر وہ بن مانس چلا اب۔ وہ اس تیزی سے گھو ما ترکے

جس جا

EEL

ابھی چھاتی بھی، کانٹے دار پونچھ اب، پسر تا مار ماہی سا در از اب

وہ خود کو کھے رہا تھا

ڈھیر کرتا ہواؤں کو سکڑتے چنگلوں میں۔ نہیں تھا دغدغہ

سنگین اتنا

PHAETON

فٹن رتھ بان نے جب چھوڑ دی تھیں کبھی ڈھیلی لگامیں بے محابا

لپٹ کر رہ گیا تھا جس کے باعث ردائے شعلہ میں چرخ بریں

ہیں —

ICARUS

نمایاں آج تک آثار جس کے۔ نہ جب بد بخت اکارس ہی نے دیکھے

جھلستے موم کی ترقیق سے وہ بھر بے کے لوا پٹھ سے کھسکتے۔

پکار اٹھا تھا اس کا باپ اونچا: "غلط رستے پہ کیسا پڑ گیا تو"!

مجھے لاحق فزوں تر دغدغہ تھا، ہوا میں نے جو چاروں اور دیکھی

نہیں تھا ماسوا کچھ بھی، مگر ہاں وہ اک مردود وحشی، سہمے سہمے

بیابان اس طرح گرداں طیراں، کوئی شے بھی نہ دیتی تھی سجھائی۔

ہوا نیچے سے چھپکے مارتی تھی مرے چہرے پہ فراٹوں میں آکر،

سنائی دی مجھے دائیں طرف کو خروش انگیز مواج آبشار ایک

تجسس میں جھکا جب دیکھنے میں تو وہ گہری ترائی تھی کہ میرے

خطا اوسان تھے سب سہتے سہتے۔

تپاں شعلے تھے، شیون اس بلا کا مرے کانوں کے پردے

پھاڑ ڈالے۔

سراسر مجھ پہ تھا رعشہ کا عالم، بڑی سختی سے بھینچے عضو اپنے
پھر انظروں میں، اب تک غیر محسوس بھیانک کلفتوں کا گھپ نظارہ،
جو ہر سو سے امڈتا آرہا تھا، اترتے جا رہے تھے جس کے اندر
گھمیری گھوم کر ہم چکروں میں۔

کوئی شاہین کافی دیر جیسے رہے پرواز میں، لیکن نہ پائے
پرندہ اور لاسہ تو بلائے اسے شاہین پرور تلملا کر۔ مروں میں،
لوٹ آ، مر کبھی زمیں پر!

تو اترے مضمحل، طرارہ بھر کے جہاں سے وہ اٹھا تھا اور بیٹھے
وہ اپنے خشمگیں مالک سے ہٹ کر۔ اسی کینڈے سے اب جیریون اترا،
FURROW رکھادی سے اٹی اس ٹیکری کے تلے دامن میں دھر دیتا ہے ہم کو،
اور اپنے بار سے ہو کر سبک وہ جھٹا پٹ خود اچھل کر دور سرپٹ
چھٹے زن جیسے اک پیکان زہ سے۔

کینٹو (۱۸)

زیریں طاس — آٹھواں طبق — طاق اطاق اوّل/دوم

تلخیص: شاعر آٹھویں طبق کا محلِ وقوع اور نقشہ بیان کرتا ہے۔ اس میں کل دس طاق اطاق ہیں، اور اتنی ہی طرح کے نابکار بدکار۔ اس کینٹو میں ان دو کا احوال مذکور ہے جو دوسروں کی عیاشی کے لئے عورتوں کو ورغلاتے ہیں یا کاسہ لیسی ان کا وطیرہ رہا ہے۔ اول الذکر کی کھال کوڑوں سے ادھیڑی جا رہی ہے، اور

ثانی الذکر نجاست و غلاظت میں لتھڑے پڑے ہیں۔

○

MALEBOLGE

مقام اس مقعرِ دوزخ میں ہے واں بنام میلی بلج،
اور سب پہاڑی
خضابی رنگ کی گھری کلنکی ۔ یہی ہئیت کرّاڑے کی، حصار اک
بناتا تھا جو پیرامون اس کے۔
تھی بیچوں بیچ اس گھپ منطقہ کے عمیق و ژرف منہ پھاڑے خلیج اک،
کھلے گی وقت ہی پر ساخت جو ہے۔ فصیل اس کے
چہار اطراف ۔ مابین
بلند اڑ بڑ کناروں اور کھاڑی کے اندر اس تہی تہ میں لگاتار
وہاں تھے دس کلس تعمیر کردہ۔
فصیلوں کے بچاؤ کے لئے ہوں کئی اک خندقیں جس طرح کندہ
حصارِ قصرِ سلطانی کی صورت
دروں آباد ہو جتنا علاقہ یقینی تاکہ ہو اسکی حفاظت ۔
یہاں بھی ہو بہو نقشہ وہی تھا۔ پھر ایسے کوشکوں کی طرح، جن کی
ہر اک دہلیز سے باہر سرے تک پلوں کا جال ہوتا ہے، فراواں
اسی صورت تلے داماں تل سے، کئی اک چقمقی رستے نکل کر،
بغارے اور پشتے سب پھلانگے، چلے جاتے تھے کھاڑی کی طرف کو،
انہیں جو کاٹ دیتی تھی اکٹھا۔
جگہ ایسی تھی پایا آپ کو، جب ہم اس جیروان کی چڈھی سے اترے۔
چلا جاتا تھا نغمہ سنج بائیں، رواں میں ساتھ ساتھ اسکے جلو میں۔

نظر آتے ہیں دائیں ہاتھ مجھ کو نئی خواری، نئے آلام، قہری

نئے جلّاد، پہلا طاق تھا یہ ٹھسا ٹھس جمع تھا انبوہ جس میں۔

تھے اسفل تھاہ میں بے باک بدکار، ہمارے منہ لگے، ہمراہ آتے

مقامِ وسط سے اس سمت، لیکن وہ آگے لمبے لمبے ڈگ اٹھاتے۔

اسی تمثال — عامِ العفو جب بھی پلٹ کر آئے — تو کرتے ہیں رومی

رواں رفتار کی خاطر، نہیں ہو کثیر انبوہ تا اس میں مزاحم،

یہ منصوبہ کہ پُل پہ سامنے کو چلیں اک ہاتھ سب کو شک کی جانب

کہ درگاہِ ولی پطرس پہ پہنچیں، دگر رُخ جانبِ کہسار رکھیں۔

وہاں ہر مختلف رستہ پہ میں نے بھیانک ٹیکری کے ساتھ دیکھے

سرنگی دیو اٹھاتے سخت کوڑے، وہ بیدردانہ جن سے پیٹھ ان کی

ادھیڑے ڈالتے تھے، اوہ کیسے وہ پہلی ضرب سے ان کو اچھالیں

EAR OF JUBILEE

۱۳۰۰ میں پوپ بونی فیس ہشتم نے پل اینجلو میں طولاً یہ حد بندی کردی تھی۔

سرنگی (سنسکرت) سینگ والا

نہیں تھمتا تھا کوئی دوسری کو، نہ کوئی تیسری کے واسطے ہی۔

اسی اثنا میں جب آگے بڑھا میں، پڑی اک شخص پہ

میری نظر تو

یکایک چیخ کر میں بول اٹھا: "نظر بھر کے اسے دیکھا کہاں ہے"،

قدم اپنے وہیں روکے لہٰذا کہ اس کا جائزہ اچھی طرح لوں، شفیق

استاد بھی ٹھٹکا مرے ساتھ،

ہوا راضی وہ اس پہ اک قدم میں پلٹ کر جاؤں — اور وہ

روحِ مذبوح

ہوئی کچھ سرنگوں چھپنے کی خاطر، مگر کچھ فائدہ اس کا نہیں تھا،

کہا میں نے: "ارے تو جس کی آنکھیں زمیں میں یوں گڑی جاتی ہیں مجھ کو

زیادہ خال و خد دھوکا نہیں دیں اگر تیرے تو تو وینی ڈکو ہے —
یہاں کیا شامت اعمال لائی، تری جو یہ مرمّت ہو رہی ہے"؟
وہ بولا "بادلِ ناخواستہ بھی نہیں پاسخ ترے الفاظ کا دوں،
مگر تیرا سخن صاف اس سے تازہ ہوئی ہے اس جہاں کی یاد میری
کبھی جس میں رہا آباد میں بھی — سو مجبور جواب اس واسطے ہوں،
تجھے پس علم ہو تھا میں ہی جس نے غسالہ ماہرو کو دی تھی ترغیب
کرے ارباب کو شادِ تمنّا — یہ قصہ شرمناک ایسا کہ اب تو زبان زدِ عام
کافی ہو چکا ہے۔
بلا و ابتلا میں کر کے ماخوذ بلگنا نے نہیں بھیجا مجھے صرف،
یہ خطہ بلکہ یوں ہم سے اٹا ہے کہ شاید اب نہ اتنا سیکھتی ہوں
میانِ رینو و جو ئے سیونہ زبانیں روزمرہ میں وطن کے ولے، کہنا
جرا ہاں — اور درکار
شہرت اس کا اگر حتمی تجھے ہو ہمارے جلبِ زر کو یاد کرلے"۔
وہ یوں محوِ سخن تھا، ایک عفریت ٹھو کا گرز کا دے کر
اسے تب
ورغلانا یہ! "قرمساق گم ہو، زناں یاں بھر دلیوثی نہیں ہیں"۔
میں اپنے بدرقہ سے جا ملا جھٹ، قدم کچھ طے کئے پیچھے، جہاں پہ
کنارے سے برون ابھری ہوئی تھی پہاڑی جو بآسانی چڑھے ہم،
کنگرے اس پہ مڑ کے داہنے ہم ہوئے رخصت اِن اُن انت
اڑ چنوں سے۔
جب آئے، جس جگہ پائین محراب کھلے منہ سے گذرنے دے رہی تھی

بولگنا کا باشی جس VENEDICO نے اپنی بہن غسالہ کو ورغلا کر مارکوئیس او بیزو کے خلوت کدہ عشرت کو آباد کیا۔

GHISOLA

MARQUIS

OBIZZO DO ESLO OF FERRARA

رکاوٹیں

ان ارواحِ عقوبت یافتہ کو،

مرا استاد بولا: "یاں ٹھہر جا، دگر بدبخت ہیں ان سے بھی تیرا
وقوف آگاہ ہو، وہ جن کے چہرے نہیں اب تک ہوئے ہیں
آشکارا، اگرچہ ہمسفر اپنے رہے ہیں۔

پلِ کہنہ سے اب وہ غول دیکھا، اُمڈ کر واں سے اس
سمت آ رہا تھا،

دگر سا سخت کوڑوں سے اُدھر آتا، ہوا تب میرے استفہام پر یوں
مرا وہ رہبرِ مشفق سخن سنج:

"نظر ڈال اس طرف آتے ہوئے اس دراز اندوہگیں سایہ کے اوپر
نڈھال ایسا نہ چھلکے قطرۂ اشک، مگر پھر بھی وہ اس کا طنطنہ،
واہ!

کہ رسی جل گئی پر بل نہ نکلا۔ یہ جاسن ہے وہی چھل بل سے جس نے (JASON)
اڑایا تھا شہِ کلخس سے مینڈھا۔ اُدھر لیمینی ٹاپو کی طرف کو COLCHOS
بہا کر لے گئی تقدیر اس کو، جب ان مردار ڈھیٹی کشتیوں نے LEMENIAN
ہلاک اپنے کئے تھے مرد سارے، چہاؤنی اور چتربانی سے اس نے ساحرانہ الفاظ و علائم
وہاں پر ایک دوشیزۂ نوخیز ہپسی پل کو شیشے میں اتارا،
اسے واں چھوڑ کر چلتا بنا تھا۔ اسی تقصیر کی پاداش میں۔ اب
وہی جس نے کیا تھا چرتر پہلے، یہ کر کے گربھوتی بے سہارا۔ HYPSIPYLE / تریا چرتر
عذابِ جانستاں اس پر ہے حاوی۔ چکایا جا رہا ہے اس جگہ پر گربھوتی: حاملہ
مدیئہ سے زبردستی کا بدلہ۔ سب اس کے ہمرکاب ایسے ہیں، جن نے MEDEA
کیا تھا ارتکاب مکر ایسا

ہے طاقِ اطاقِ اولیں کی بہت ہے، واقفیت اس قدر یہ
ران کی بھی، اذیت ناک تکلیف یہاں کی جن کو تلپٹ کر رہی ہے"
ہم آپہنچے جہاں سے اگلا پشتہ اتر کر پار پگڈنڈی
بڑی تنگ

ل تھی روشِ محرابِ دگر پہ۔ یہاں پر، طاقِ ثانی میں ہمیں اب
ئی دیں ملال انگیز دھن میں بلکتی دھیمی دھیمی آتمائیں—
لائے چوڑے چپٹے نتھنے، کرتیں رسید اپنے کو زناٹے
کے تھپیڑے۔

روں پر کرختانہ معلق بساندی بھاپ کی جم کر پھپھوندی،
یفیت مشام و بصر جس کے سبب سے انتہائی ضیق میں تھے۔
ی ہی کھوکھلی وہ تھاہ، جس کا نہ اک حصہ سجھائی دے سوائے
وہ اس چوٹی کا بس پتھر بلا فسوا۔

صورت ہم آنکلے بہت دور۔ نظر آیا مجھے جم غفیر اک
اسرلت پت اس فضلے میں جس کو برازِ جسمِ انسانی سمجھئے۔
مس میں ہوئی جب چشم جویا، تلے اک شخص دکھلائی دیا جو
ٹ تھا اس قدر مشکل تھی پہچان کلیسائی کوئی ہے یا ایا شک | دنیا دار
ی ہی جھنجھلاہٹ سے وہ چیخا: "مرے بارے میں استدراک
کیوں ہے
رسب غلیظی لوگوں کی نسبت حریصانہ یہ مائل جستجو یہ؟"
ایا میں: "بجا گر حافظہ ہے، ابھی تک تو تجھے پایا تھا میں نے
ے ہی خشک سب پٹھے ترے۔ تو ہے لکّا خانوادے کا الیسیو۔ | ALLESIO OF (LECCA) FAMILY

اسی خاطر تو سب اوروں سے بڑھ کر ترا میں جائزہ یوں لے
رہا ہوں"۔
دو ہتھڑ ماتھے پر اپنی جما کر کہے الفاظ یہ اس نے: "مجھے یوں خوشامد
نے کیا ہے ستیاناس،
زباں میری نہیں تھکتی تھی جس سے"۔ مرے قائد نے یوں: گردن
کر اپنی
ذرا آگے بڑھا اچھی طرح سے تماشہ کر سکے تاکہ وہ روڑھی نگوڑی
مال زادی فاحشہ کی
گھروٹے آپ جس پر مارتی ہے نجس ناپاک ناخونوں سے اپنے۔
ڈھے اب پاؤں پر سیدھی کھڑی اب یہ تھائس ہے وہی جس
ولشیا کے
جواب یوں ہوئے تھے ہونٹ جھوٹے کہا جب عاشقِ زار آشنا سے:
"مرا تو اس قدر مشکور— کہئے مگر حیرت فزا کیا چیز ہے یہ"۔
اسے واں دیکھنے کے بعد ساری نظر کی تشنگی ہی بجھ گئی تھی۔

THAIS
: طوائف

تھراسو سے مراد ہے

کینٹو (۱۹)

زیریں طاس ــــ آٹھواں طبق ــــ طاق اطاق سوئم

تلخیص: وہ طاق/ اطاق سوئم میں در آئے جہاں دین فروش

ستوجبِ دار الجزا ہیں. انہیں مخصوص گڑھوں میں الٹا گاڑا گیا ہے یوں کہ ٹانگیں پنڈلیوں تک ان کی باہر ہیں اور تلوے لپٹوں میں بھن رہے ہیں. راہبر دانتے کو طاق کی تھاہ میں لے اترتا ہے جہاں پوپ نکولس پنجم سے مٹھ بھیڑ ہوتی ہے. وہ اور دیگر پیرانِ کلیسا بداعمالی کی پاداش میں سنگین ماخوذِ محاسبہ ہیں. ورجل دوبارا اسے محراب پر چڑھا لاتا ہے، جہاں سے پگڈنڈی اگلے طاق کو چلی جاتی ہے.

ایک سامری - SMONY
کلیسائی مناصب و اوراد
کی فروخت.

خدا سمجھے تجھے میجوس سیمن، خدا کی مار تجھ پر، سب تقلّد
بوں کردار اس کے، جو خدا کا متاع و مال - جس کا نیک مصرف
فقط در کا ہے منسوب باخیر - مگر تم حرص زادے انتہائی
راہ نقرہ و زر قحبہ گی گوں کر وان کی سدا حرمت فروشی.
تمہیں پر صور اب پھونکا گیا ہے، تمہارا پس یہ طاق سوئمیں ہے.
ہم اب اگلی گپھا پر چڑھ چکے تھے. چٹان اس پر سے سیدھی
جھانکتی تھی
وہاں سے عین وسطِ دمدمہ تک.

عقلِ کل

مہاگن بدّیا! حیرت فزا ہے وہ صنعت، ہمچنیں مظہر ہے
جسکی سرِ ارض و سما تو،
اور کیسا کیا ہے منصفانہ حصہ رسدی سبھی کو مختص اس دنیائے
دول میں.
سراسر اسکی اطراف اور تہ میں نظر آئے مجھے شغاف خارا

پر از رخنہ و روزن، عرض میں تو برابر سب مگر ہر اک مدّور۔
کشادہ تر نہ تھے یہ تنگ تر ہی، کہ جو سوراخ روضہ میں ہیں، میرے
مکرم پیر یوحنّا کے ترشیدِ پُر تر جل ہو بپتسمی ذخیرہ۔
انہی میں سے ہوئے کچھ سال میں نے کیا تھا ایک کو مسمار، جس سے
بچا معصوم بچہ کلبلاتا، رہے یہ رفعِ شک کی بھی سند، گر
کسی کو احتمال ایسا رہا ہو کہ نیت تھی مری اس فعل سے اور۔

فلورنس میں ولی یوحنا کے روضہ کی چٹانوں کے سوتے پاک پانی

اک اک پاپی کے باہر پیر نکلے ہر اک سوراخ میں سے، اور ٹانگیں
بلند اور پھیں پنڈلی تک نمایاں۔ بدن باقی تھے سب مدفون اندر،
جلن پیروں کے پنجوں میں بلا کی، اثر سے جس کے یوں کھاتے تھے جھٹکا

(ٹھیٹھ) پاؤں کا نچلا ابھرا ہوا حصہ

لچیلے جوڑ، الگ کھل جائیں جیسے رسن یا بیدِ پیچاندہ چھٹ کے۔
بھڑک کر روغنی شے پہ شعلہ لپکتا جائے یوں اوپر ہی اوپر
بشکلِ مس کیے گذرے جہاں سے، یہاں بھی کور تک ایڑی سے لوتھیں

بس ایسی کودتی تھیں، کوندتی تھیں۔
یہ استفسار میرا: "کون ہے وہ، تپا آقا نظر آتا ہے سب سے زیادہ جاں گسل ایذا میں
اس پر جھپٹتے ہیں شہاب ایسے عبیری؟" جواب اس نے دیا: "چاہے اگر تو
چلے چلتے ہیں نیچے ہم وہاں سے کنارا جس جگہ ڈھالو نہیں ہے
تجھے بتلائے گا ذاتِ شریف آپ ہے کون اور اسکی کرتوتیں ہیں کیا"

"مجھے تیری پسند خاطر احسن، مرا آقا ہے تو اور باخبر ہے
تری مرضی سے میں باہر نہیں ہوں، پہ وارد خامشی معنی، عیاں ہے
بجز بی یہ بھی" ــ میں اسکو جواباً۔

ازاں بعد آئے چوتھی مینڈھ پر ہم، وہاں سے مڑ کے
باتیں ہولئے ــ اور
بڑھے پاتال میں نیچے اتر کر عجب تھی رخنہ دار اک تنگنائے
رے قائد نے اپنی جان کے ساتھ لگا رکھا مجھے جب تک نہ پہنچا
لئے منفذ پہ جس کا جسم لرزاں تشنج کو نمایاں کر رہا تھا۔
بایں الفاظ اب تمہید باندھی" بھلا تو کون ہے روح فسردہ
کہ اس کینڈے سے اوندھی ہے زمیں میں کوئی اک سخت
چوبہ ٹھونک ڈالے،
اگر مقدور ہو تو بول منہ سے" کھڑا تھا مثل راہب میں وہاں جو
کسی بدبخت سے توبہ کرائے کہ جرم قتل میں ماخوذ جس کو چڑھایا
جا چکا ہو بر سر دار
برائے اعتراف اس کو پکارے، اجل چندے توقف میں ابھی ہو۔
وہ چیخا: "اوہ یاں پہلے ہی موجود، یہاں پہلے ہی سے موجود ہے تو
رے اوبونی فیس اپنا بھی کیسا غلط سالوں سے نکلا ہے نوشتہ،
بھرنا اس قدر دولت سے جلدی، ہوس میں مکر سے صرفہ نہ
جس کی
تھیائے وہ گل اندام خاتون، اسے پھر بے حیائی سے بھنبھوڑے"
ری کیفیت ان سی بے مزہ ہوں جواب تلخ سے سوجھے نہ لیکن

پوپ بونی فیس ہشتم متوفی ۱۳۰۳ء: مراد منصب پاپائیت اور اس کا ناروا استعمال

جواب اور وہ ہونق سے کھڑے ہوں ۔ مجھے ورجل کی جب
تہدید ۔" بتلا
اسے جھٹ میں نہیں وہ شخص جس کا تجھے مجھ پر گماں ہے ۔" اور
میں نے
ہدایت کے مطابق سب بتایا ۔ سنا جب یہ مسل کر پیر اپنے
اک آہ سرد سے اس روح کا یوں خطاب اندوہگیں لہجے میں آ گئے،
"پھر اس ناچیز سے کیا چاہیئے ہے جو تجھے گر لابدی یہ آگہی ہے
کہ میں ہوں کون؟ جس خاطر اتر کر یہاں تو اس کنار آیا ہے،
تب سن
نکولس سوئم متوفی ۱۲۸۱ قبائے فاخرہ خلعت گراں تھی، پسر میں خرس مادہ کا بلاشک
ہوس تھی جلب زر کی بے ٹھکانہ، بھرے تھے ٹھونس کر توڑے لبالب
سو اب انجام کار اس حال میں ہوں ۔ مرے سر کے تلے سب
دوسروں کو
رگیدا جا رہا ہے ۔ میرے پیشین، گناہ دین افروشی کے ماخوذ،
پڑے ہیں اپنی قامت کے مطابق چٹانی روزنوں میں چت پسر کر،
گروں گا میں بھی ان کے درمیاں پست، وہ جونہی آن پہنچا،
جس کا دھوکا
مجھے تجھ پر ہوا تھا، جب بعجلت کیا تھا میں نے استفسار تجھ سے ۔
مگر اب وقت زائد ہو چکا ہے، کبھی سے میرے تلوے جل رہے ہیں،
کبھی سے سر کے بل میں یوں کھڑا ہوں، ہوا مقسوم ہے جس کے تجاوز
گڑے یاں، ایستادہ سوختہ پا ۔ پھر اس کے بعد اک ذات شریف اور

بیث اس سے بھی کارستانیوں کا یہاں پہنچے گا مغرب کیطرف سے۔

راعی رو رعایت سے بعزِ اقتدار، مجتمع ہو جس کے اندر

ے کرتوت اور اس دوسرے کے، نئے جاسن سے وہ موسوم ہوگا،

ے جس کا تذکرہ میکابیوں میں، اور ایسی ہی عنایتِ فراواں،

اس بطریق پر فرمائیں اس کے مربی مہرباں فرمانروانے،

شہنشاہِ فرانس اس پر کرے گا۔"

مجھے یہ تو نہیں معلوم میں نے یہاں کس حد تلک مفہوم سمجھا،

ے لیکن جواب اس طرز میں: "اب مجھے بتلا، ولی پطرس سے کتنے

ب فرمائے تھے پہلے خزینے منتجّی نے ہمارے چابیوں کی

ت جب اسے سونپی گئی تھی۔ یقیناً آپ کا فرمان تھا صرف

بیر اتبع'۔ پس نہ پطرس، نہ ان میں اور ہی کوئی طلب گار

یتیاس کے سیم و طلا کا، ہوئے افراط سے جب یہ نچھاور

اک مردود کے شہرِ غضب پر۔ مقیم اس میں ہی رہ، اپنی سزا

کا مناسب طور پر تو مستحق ہے۔

ر تو وہ ہتھیا ہوا زر یہاں جی بھر کے، تیری ضد ہوس خواہ

تھی چارلس کے برعکس جسکی۔ نہ رکھتی باز اگر تحریمِ مفتاح

ے عہد نکوتر میں جو تجھ پاس، میں استعمال کرتا تلخ لہجہ، کہیں

اس سے زیادہ۔

ا تیری صفِ ماتم بنائے ہے جہاں کو، بھلے روندے گئے

پیروں کے نیچے

او باشوں کا بادھا ہو رہا ہے۔ تم ایسے راعیوں سے خوب آگاہ

(الستمی) کلیمنٹ پنجم — ۱۳۰۸ء میں یہ پاپائیت کا مرکز ایویگنان لے گیا۔ متوفی ۱۳۱۴ء

نیا جاسن: "سیلوکس کے بعد انطاکس جانشین ہوا تو جاسن نے پروہت کا عہدہ کئی صد توڑے چاندی کے توڑوں کے عوض میں حاصل کیا۔

شہنشاہِ فرانس: فلپ چہارم

یہودا

سلی کا بادشاہ، چارلس اول جس سے پوپ نکولس سوئم کا اختلاف آیا۔

ڈنکا بج رہا تھا،

رہا تھا حاملِ انجیل، جب وہ نظارہ بیں ہوا اس ویشیا کا
کہ برموجہ تھی ہم پہلوئے شاہاں طرانفانہ گندآلودگی سے۔
فرازِ اپنی ولادت پہ رکے تھے سر اس نے سات اور دس سینگ
ٹھہرے۔

سند یہ امر اس کی تمکنت کی رہا تھا پاک دامانی پہ اسکی بہت
خورسند جب تک زوج اس کا۔

خدا تم نے بنایا سیم و زر کو، بس اتنے مختلف بت یاب سے ہو
وہ اک تم ایک سو کو پوجتے ہو۔ ہوا صد حیف قسطنطین باعث
خرابی کا

عام طور سے مشہور روایت اس بادشاہ نے سیلوسٹر کو بے حد نوازا۔

قبولِ دیں نہ تیرا، یہ جو نذرانۂ وافر لیا تھا تونگر اسقفِ اوّل نے
تجھ سے۔"

اسی دوران، میں گویا تھا جب یوں، نہیں معلوم وہ تاؤ
چڑھا تھا

کہ اندرونی خلش کی کلبلاہٹ، لگا کر جست گھوما وحشیانہ
ہر اک ایڑی پہ اپنی — اب مجھے ہے یقیں استادِ خاص مطمئن تھا
کہ لب بستہ برابر سن رہا تھا، حقیقی لفظ جو میں نے کہے تھے۔
جبھی کہ اس نے دونوں بازوؤں میں اٹھایا اپنے سینہ تک
مجھے — اور

پلٹ کر راہ لی ڈھالو پہ اوپر۔ نہ تھا ہلکان اپنے بار سے وہ
کیا نزدیک بھینچا اور مجھ کو۔ ہم آخر ڈھوک کی چوٹی پہ پہنچے
چہارم سے گزر کر پنجمیں بند — گرا بار تب اٹھ بڑی شیبی

پہاڑی پر دھرا ہلکے سے اس نے —

وہ اک دشوار بیہڑ تھی رسائی رساں بکری کی بھی اس پر نہ تھی سہل،

وہاں سے ایک اور وادی کا منظر مری آنکھوں کے آگے کھل رہا تھا۔

کینٹو (۲۰)

زیرین طاس —— آٹھواں طبق۔ طاق/اطاق چہارم

قصہ یہ ان لوگوں کی تعذیب و ابتلا کا ہے جو زندگی میں بزعم خود آئندہ واقعات کی نشاندہی کرتے تھے، منہ ان کے پھیر دیئے گئے تھے اور اعضائے مقلوب کے ساتھ پچھل پیر چل رہے تھے۔ سامنے دیکھنے کی توفیق جاتی رہی تھی۔ ان لوگوں میں ورجل امفیارس، ٹیرے سی اس، آرونز، منٹو وغیرہ کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے جو جوتش، رمل، جفر کے مطابق غیب کا حال بتانے کا دھندا کرتے تھے۔ منٹو کے حوالے سے وہ اپنی جنم بھومی منٹوا کی اصل سے بھی بحث کرتا ہے۔

اور اب فکر سخن ہے محو پرواز بسوئے جانگزائی ہائے تازہ —

یہ اُس ترجیع بندِ مبہم کا روا موضوع یہ پہلی مثنوی میں،
بھیانک متن جس میں تذکرہ خواں حزن غرقاب کچھ ارواح کا ہے۔
نظر پر جو عیاں تھا وہ بنارا لغور اب جھانک کر دیکھا، تو نمناک
سرشکِ کرب کی خونبارگی سے وہاں تھا وادیٔ خالی میں اک خیل
سفر میں، محوِ گریہ خامشی سے، قدم رفتار جس کی مقتضی ہو۔
دعائے مغفرت کا عبرتی ورد زبانوں پر تھا جاری — بر سرِ خاک۔

پڑی جب راست اُن پر آنکھ میری عجوبہ یہ نظر آیا کہ
وائڑول

ہر اک گدی کی ہڈی پر سے ایسا عنانوں سے تھا روگرداں، اور پھر
نہیں تھا چونکہ یارا دیکھ سکتا کوئی بھی سامنے اپنے، تھے مجبور
پچھلپائی کی چال آگے چلیں وہ، کوئی لقوہ کا مارا جیسے شاید
الٹ منہ ہو کے بالکل رہ گیا ہو، کبھی گو یہ نہیں دیکھا ہے میں نے،
نہ ایسی بات پر میرا یقیں ہے۔

اب اتنا سوچ اپنے آپ تھا ری! خدا ایسا صلہ دے
خواندگی کا

مرے رخسار کب تک خشک رہتے، نظر آیا تھا عین اپنے قریں جو
یہ حلیہ مسخ صورت کا ہماری۔
چکیدہ آبجوئے اشک رخ سے، رواں اعضائے پشتی پر — لگا کر
میں ٹیک اک ٹیکری سے رو پڑا تو مرا استاد تہدیداً پکارا:
"یہ کیا احمق ہوا تو دوسروں سا، یہاں سب سے زیادہ جذبۂ رحم
محرک ہو، یہ بے حس لاکھ بھی ہو، کہوں میں یہ تو مر کے جی اٹھے یاں،

مگراس کی خطا سے بھی فزوں کچھ جو اپنے عالمِ جذبات میں ہو
خلافِ عدل ربانی عمل کوش!
اٹھا کر سر کو اپنے، دیکھ اٹھ کر وہ شخص، اسکی نظر کے سامنے شق
ہوئی جب بقیبز میں دھرتی، تو سارے پکار اٹھے: کدھر بگٹٹ
چلا ہے؟
گریزاں جنگ سے کیوں امفیارس؟ نہیں برباد کن مردار یہ کم،
بس اس میناس کی مانند نیچے نہ کوئی بچ سکے جس کی پکڑ سے۔
وہ کیا شانوں کو ہے سینہ کئے، لو! کبھی تھا جو تمنائی نظارا
سے تا دور اپنے سامنے، اب پچھل پیرا رواں ہے پس نگروہ
اس ٹیریسی اس پر نظر ڈال، بدل لی جنس ناری نر سے بن کر
ہوا منقلب اک اک عضو اس کا، ہوئی توفیق اسے بارِ دگر پھر
عصا سے مار پیچیدہ وہ دونوں گرے مضروب ازیں پیش اس
کے طرّے
جن سے ہے صنفِ زبردست برآمد ہوں دوبارا سر اٹھائے
اَرونز آتا ہے رو گرداں شکم سے۔ جبل لونی پہ
ابیض مرمروں میں
کرارا کا عقب کندہ جہاں ہے، کہ نیچے کل ترائی کا سماں ہو،
بسیرا تھا وہاں اک بھٹ میں اس کا، جہاں سے وہ کیا کرتا
تماشہ
بسیط و بیکراں تا دور پھیلے نجوم و بحر پہناور کا منظر۔
وہ اگلی روح جو سینے پر اپنے ہے بھر لائے ہوئے زلفِ پریشاں،

یہ سات (بادشاہوں) میں شامل تھا جنہوں نے بقیبز کا گھیرا ڈالا۔

بقیبی غیب داں ایتھنہ نے اس پاداش میں بینائی سے محروم کر دیا کہ اسے نہاتے دیکھ لیا تھا۔

LUN

کندہ، مصدر کندن
CARRARA

تجھے دیتی نہیں جو یوں دکھائی (کہ روئیدہ ہے دیگر سُو ہر اک مُو)
تھی منٹو کھوج کر کتنے علاقے، بنایا تھا ٹھکانہ اس نے آخر
مری پیاری جنم بھومی میں اپنا۔ جہاں سے خوش سخن میرا یہ قدرے
سماعت کو تری اٹکا رہا ہے۔

تقیبی ٹرے سی اکی بیٹی وہ شہر عیاش (دیوتا) باخوس سے منسوب تھا۔

جب اس کے باپ نے جیون تیاگا، وہ شہر انتخاب اِک رہنِ باخوس
غلامی میں ہوا محوِ کشاکش، بڑے عرصہ تلک پھرتی رہی وہ
اک آوارہ جہاں میں ماری ماری۔ بلند اٹلی کے ملک خوش
فضا میں

ہے جھیل اک، الپ کے دامن میں واقع، تھوڑے جو بند
المانیہ کو

BENACUS

کئے ہے بر سرِ ٹیرول ۔ اس کا بناکس نام، سوتے پھوٹتے ہیں
بھری چھاتی سے جس کی اک ہزار، اور مرا تو ہے خیال اس سے
بھی کچھ بیش

میانِ کا مونائیکہ و گردہ، سب اپنی نائن سے ہے سیراب جن سے۔

PRATO DI FAME

مقام ۔ اس جھیل کے ادھ بیچ رستے ۔ ہے اک ایسا، ٹرنٹو
کے دھڑے کا
عصائے راعیانہ جس کئے ہے، وہ ان کے ساتھ، یہ جن کو عطا ہے
بریسکہ و ورونہ کے لئے، دے دعا برکت کی ہر اک شخص کو جو
اودھر، اس (اسقفی سنگھم) سے گزرے۔ وہیں نا کے پہ
عالیشان مضبوط
حصار پاسچیرہ ہے ستادہ، بڑے ہی دبدبے سے سامنا جو

برلیکہ اور بریگمہ کا لئے ہے۔

ہے دو طرفہ جہاں ڈھلوان ساحل، وہاں پہ آ کے دھارا
تیز رو، جو

باکس کے نہ سینے میں سمائے روانی سے اُچھلتا اور لڑھکتا
یدہ اور پیچیدہ ندی سا، یہ جل تھل مرغزاروں کو بناتا،
کل بہتا ہے اور آگے جہاں پہ بناکس تو نہیں منسّش ہے مشہور،
گور نو پہ یہ جا گرتا ہے پو میں۔ نہیں بہتی ندی کچھ دور ابھی جب
وسیع اسپاٹ خطہ پہ یہ آئے جو گستردہ، محیط اک پانک سا ہے
بڑا خاصا وبائی گرمیوں میں۔ دلدل

وہ دوشیزۂ صحرا، راہ پیما یہاں جب آئی تو جھاڑ میں محصور یعنی منٹو
علاقہ غیر آباد اس نے پایا، نہ آدم اور نہ آدم زاد کوئی۔
بر انسانی غل دغوغا سے مامون، بسی یاں ساتھ اپنی داسیوں کے۔
یہیں سب زندگی اس نے گزاری دکھاتے اپنے کرتب اور کوتک۔
سدھاری بے اہالی چھوڑ کر جسم یہاں سے جب تو وہ سارے قبائل
حوالی میں جو اب تک منتشر تھے اسی جا آ بسے ہو کر اکٹھے
کہ استحکام حاصل تھا اسے خوب، بہر سو تھا جو یہ دلدل سے محفوظ۔
انہوں نے اسکی مردہ استخواں پر اٹھایا شہر اک اپنے لئے — اور
رکھا منٹوؔا نام اس یاد میں جو یہاں پہلے پہل آ کر بسی تھی۔ نہ حاجت MANTUA
فال کی اب نام کو تھی۔

بکثرت تھی یہاں مخلوق آبادہ کسالودی کی لیکن سادہ لوحی
کیا جُل سے پنامونٹے نے برباد۔ روایت اصل سے منسوب اگر تو

سنے کچھ اور میرے اس وطن کی، کئے دیتا ہوں پیش آگاہ تجھ کو
نہیں بجلائے باطل راستی سے ''۔

کہا میں نے'' ترے الفاظ استاد مجھے تو حرف آخر اسقدر ہیں
کہ ان کے ماسوا چنگاریاں ہی لگیں بے جان سب، کہ مطلع تو
روانہ ہیں جو تیرے پاس ہو کر گر ان میں قابلِ ذکر اور بھی ہوں،
کہ میرا ذہن ہے صرف اس پہ مبذول۔'' جواب اس نے دیا
جھٹ۔ ''یہ ہیولیٰ
پڑی ہے گال سے مونڈھوں پہ جس کے ڈھلک کر کھچڑی داڑھی
۔ جب کبھی یوں
ہوا تھا گرشیہ مردوں سے خالی، پنگھوڑوں کی رسد تک رک
گئی تھی،
تراوس میں یہ حضرت غیب داں تھا، بہم پکھیں سے مل کر فال
جس نے
نکالی منقطع رشتہ کریں کب۔ اسے یوری پلس کہتے تھے وہ لوگ
مرے نوحہ میں ہے موزوں یوں ہی جیسے بحر رجز کا درک جس کی،
عبور اس پہ ترا ملکہ ہے کامل۔ بدن کا وہ اکہرا، جس کا پٹھا ۱۳ ویں صدی کا مشہور ماہر نجوم
ہے یونہی، مائیکل اسکاٹ ہے جو کیا کرتا تھا ٹونے ٹوٹکے سب۔ کیمیا و نیر نجات
فسوں کی شعبدہ بازی سراسر۔ وہ ہے کیڈو بنٹی دیکھ اسکو، نورلی کا جوتشی
اسدینی دگر جو خوشدلی سے مگر اب گا نٹھتا سوت اور زری کو،
پشیمانی مگر افسوس اسکی، گیا ہے وقت اب پچھتائے کیا ہوت۔ پرما کا موچی
وہ شورہ پشت ہیں آگے جنہوں نے تجی تھی سوئی تکلا اور ڈھرکی، ''شٹل''

نجومی علم کالا پھونکتے تھے جڑی بوٹی سے پتلے پتلیوں سے"۔
مگر اب تیز تر، یہ وہ گھڑی ہے لئے قابیل کانٹے دار تر شول
ٹھٹک کر ساتھ ہر نصف الکرہ کے، بروج اشبیلیہ کے عین نیچے
سمندر کو لگا چھونے ۔ وہ کل رات پورن ماشی کا تجھ کو یاد ہو گا
کہ بستہ تری امداد پر چاند گھنے گنجان بن کی تیرگی میں۔"
یہ کہہ کر بڑھ گئے اس پار دونوں ۔

ہم چاند کی بڑھیا کہتے ہیں۔

○

کینٹو (۲۱)

زیرین طاس —— آٹھواں طبق —— طاق/اطاق پنجم

تلخیص: وہی زیرین طاس اور آٹھواں طبق جو میلی بلج سے موسوم ہے۔ دونوں اس پل سے نیچے جھانکتے ہیں جو طاقِ پنجم پر سے گزرتا ہے اور جس میں زندانی ہیں۔ ذاتی مفادات کے عوض اقدارِ اعلیٰ کے مبادلہ گر، قومی خائن اور خرد بردی۔ انہیں کھولتے کولتار میں غوطے دیتے جا رہے ہیں۔ راکھشس ان پر پہرہ دار ہیں۔ دانتے کو ایک ٹیلے کی اوٹ میں چھپا کر ورجل ان کے پاس پہنچتا ہے اور ان سے راہداری اور بدرقہ حاصل کر کے، پھر دونوں آگے چل پڑتے ہیں۔

یونہی ہم پل بہ پل گپ ہانکتے، جو رِھس کی درخور، ایسی بھی
نہیں خاص
مرے دلچسپ ناٹک کے تئیں ہے، گزر کر آتے چوٹی پر،
جہاں سے کھڑے ہو کر
نیا دیکھا ابھارا —— وہی منڈل یہ میلی بلج کا تھا، وہی لاحاصل
ایذا و اذیت ۔
بڑی گھمبیر گھپ پرچھائیاں تھیں ۔
ہوں جیسے وینسی گلشن میں جو شدید زمستانی رُتوں میں
قیرِ چپچپید
کہ ناکارہ جہازوں پر کریں لیپ، کرے پابند جب موسم کی شدت
نذرِ قلزم نوردوں کو —— تو کوئی نئے سر سے جہاز اپنا بنائے،
کرے تختے خمیدہ راست کوئی، بہت بحری سفر نے جو کیے یوں،
کوئی گلہی یہ برسائے ہتھوڑے، کوئی دنبالہ اور عرشہ سنوارے،
تراشے کوئی پتوار اور کوئی بٹے بل رسیوں میں وے مرمّت
کرے ستول کی، اور کوئی ترپے سمندر میں دریدہ بادباں کو ۔
اسی صورت تپش سے آگ کی تو نہیں، پر قہرِ ربانی سے گاڑھا
کثیفی چپچپا قطران پایاں کنارے پر ابھر اتھا آیک آسا ۔
یہ دیکھا تو سہی لیکن مجھے کچھ سجھائی صاف دیتا ہی نہیں تھا ۔
ابال ایسے بلوتے بلبلے داں، ابھرتا، پھدپھداتا، پھولتا اک
کلاں تر اور پچک کر بیٹھ جاتا ۔ مری نیچے لگی تھی ٹکٹکی —— تو
پکارا رہبر میرا —— "ارے دیکھ کھڑا تھا میں جہاں اُنے گھسیٹا

مجھے اپنے تئیں، اک دم مڑا ہیں بڑا بے چاین، جلیے دیکھنے وہ
نہیں جس کا ہو بہتر دیکھنا ہی - اچانک ڈر کرے مردانگی سلب
کچھ ایسی، روکنے پائے نہ منظر فرار اس کا، پس پشت لینے مجھ کو
سیہ دیو اک نظر آیا، دو دیدہ پہاڑی پر چڑھا جو آ رہا تھا ۔
ہویدا او وہ بشرے پر اس کے خشونت خوفناک، ایسا درشتی
نظر حرکت سے وہ آتا تھا اپنی ۔ توازن سے کشادہ پر تھے،
اور پانو
سبک تر، تیز طراروں کے حامل، تنک ابھرے ہوئے نخوت
سے مونڈھے،

وہ نگران ایک عصیاں کار کا تھا، اسے ایک ایک کو لیے سے دبوچے
روڑے ڈالتا تھا پیر کی نس ۔ وہ چلایا: "ہمارے پل کے بھتنو!
کیلے چنگل و ناخن والو! وڈیروں سے یہ سنتا زیت کا لو،
سے تم ڈبکیاں دو خوب نیچے پلٹتا ہوں دگر کے واسطے ہیں،
ملک اس نوع کا طومار ہے واں، ہمیں مردم ہماں جانے ہیں لیکن
بنتو رو مبادل گرنے نئیں، کو برائے منفعت کرتے چھپاک ایں".
اسے پٹخا نکیلی ٹیکری سے، مڑا وہ تیز، پیچھے چور کے یوں
ملاکتا پہاڑی بھی نہ لپکے ۔ ہوا وہ دوسرا غرقاب اور جھٹ
بھر کر سطح پہ بیچاک آیا، وہ دیوان سیہ مستور پل پہ
بنکارے:" شفاعت کو یہاں پہ نہیں ہے روئے انور، اس
جگہ تو
سر جیو رو سے پیرا کی دگر ہے ۔ جو یہ چاہے پر نچے ہم نہ تیرے
دانتیں، خیریت اس میں ہے تیری، کھر نجے پر نہ چڑھنا بھول
کر بھی"۔

لکہ کے حاکم سنتا زیت
کی یہاں خاص مکرمت
تھی ۔
طنزاً استثنا ہے

لکہ میں حضرت عیسیٰ
کا مجسمہ ۔ لکہ کا دریا

جکڑ ڈالا یہ کہہ کر سخت انہوں نے لے سو سے زیادہ او نکڑ وں میں
یہ چلائے ؛ " تری بازیگری یاں رہے او چھل ' اگر ممکن نہیں تو پھر کر
چھپ چھپا کر ہیرا پھیری ".
کہ جا بکدستی اپنی خانساماں دگر طباخیوں کی ہمرہی میں دکھائے '
جب کرے

ککڑی کا کف گیر

ڈوئی سے تہ میں پتیلے کی دبا کر بوٹیوں کو نہ اوپر آن تیریں شوربہ پر.
مجھے رہبر مرا گویا ؛ " مبادا تجھے وہ تاڑ لیں ' تو یاں دبکے
کڈھب ٹیلے کے اوٹل ' اور چھپ جا ' مرا جو بھی فضیتا اور اہانت
کریں وہ ' تو طبیعت پر نہ لا ' مجھے سب داؤ پیچ آتے ہیں ان کے
رہا ہوں ان سے دھینگا مشتیوں میں ۔" پرے پل کے سرے
پر وہ گزر کر
چھٹے پشتے پہ جا پہنچا تو اس کی نہ پیشانی کا بانکپن رہا وہ ۔
ہراس اس پہ اثر انداز سا تھا . جھپٹتے ہیں لپک کر جب
غضب میں
گدا کی پیٹھ پر کتے ' کھڑا وہ جہاں پر مانگتا ہو بھیک ۔ ایسے
بھڑک کر وہ پسِ محراب سے اب بڑھے سب تان کر ہتھیار
اس پر .
بلند آواز سے وہ ؛ " کوئی تم سے نہ ڈالے ہاتھ مجھ پر ' اس سے پہلے
شکنجہ دسترس ہو ' کوئی آگے بڑھے ' میری سنے ' پھر فیصلہ ہو
مرے پرزے ضرور اڑانا اگر ہیں . وہ چیخے زور سے ؛
" جا بیلی کو ڈا "
تب اک آگے بڑھا اور دوسرے سب رہے اپنی جگہ پر
غیر ضنباں ۔

پاس آیا تو جھلا کر پکارا: "یہ ہیرا پھیری اس سے کیا ملے گا؟"
استادیوں اس کو جوابا: "ترا ہے کیا خیال او میلی کوڑا
ہاں تک میں جو آ پہنچا سلامت، تمہارے فتنہ سے محفوظ، غیبی
بیں تائید اس میں یا نہیں یہ مقدر نے مجھے مقدور بخشا؛
میں یاں سے گزرنا ہے بہرطور کہ یہ تو ہے رضائے آسمانی
نکل جاؤں لئے میں رہبری میں بھیانک بادیہ سے دوسرے کو۔"
ڑا اسکی ملی مٹی میں جیسے، کلپ کنڈا گرا پیروں میں چھٹ کر
ہا نبکار کر اس نے یہ سب سے: "ہمیں یارا نہیں یارو کہ اُلجھیں"۔۔
دھر آقا مرا مجھ سے: "ارے تو کہ ہے ٹیلوں میں پل پڑ، سر کو
نیہوڑائے
ستہ، میرے پاس آجا نڈر اب۔" میں اٹھ کر چل دیا اس کی
طرف تیز،
دوران بڑھ آئے تھے وہ دیو، ہوئی تھی سخت دہشت
مجھ پہ طاری
وا توڑ دیں پیمان اپنا۔ پیادہ فوج کو دیکھا تھا میں نے
سال کیپرونا سے نکلتے کبھی نرغہ سے اعدا کے، یہی ڈر
وہ اپنا حلف ڈالیں پسِ پشت حصار ان کا زیادہ تنگ کر کے
لگا میں پہلوئے قائد سے، بے حس تکوں ان خشمگیں
چہروں کو ٹک ٹک،

۱۲۹۰ میں اس شہر نے لکا اور فلورنس کی متحدہ فوج کے آگے ہتھیار ڈالے۔

ودر آگے او نکڑے جو ڈولتے تھے۔ تب ایسے ایک بولا
دوسرے سے:
اس میں اگر کچھ آئے تجھ کو جماؤں دھول اسکی ٹانٹ پر ایک
بولا: "تاک کر لیکن نشانہ۔" مگر گفت و شنید آقا سے جسکی

ابھی جاری تھی، اس عفریت کو جھٹ: "ٹھہر اسکار میلی گون
ذرا اُرک"۔
ہمیں ہو کر مخاطب بعد ازاں: "تم پہاڑی پر قدم آگے دھرو، گر
سہاٹے گی نہ یہ جنبان جیسی چھٹی محراب کے دامان تک ہے۔
نکلنا ہی تمہیں مقصود ہے تو یہاں سے کھوہ کے اوپر کو ہو لو
ذرا سا دور چل کر اک چٹان اور مہیا رہگذر کر دے گی محفوظ۔
کل اب ہے پانچ ہی گھنٹے زیادہ، کہ بارہ سینکڑے اور تین کوڑی
برس چھ، "شیشہ" ساعت ہوا پُر' دراڑ اس راستہ میں
پڑ گئی تھی۔
طلایہ گرد میں کردوں گا ہمراہ کریں گے وہ نگہداشت اور کوئی
نہ ستاتا ہوا ہو بادیہ میں۔ چلو تم ساتھ ہو لو اور دیکھو
گزندان کو کوئی آنے نہ پائے۔" یہ کہتے کہتے چلایا: "نکل آؤ
الی کینو، کلک برنا، کنازو۔ سنبھالے دس کا دستہ بربرشیہ'
لبی کوکو، دراغی نہر جلدی' گرنکن تند' سیر یٹو کھگیلا
جنونی روبی کن اور فرفریلو۔ حباب انگیز تک کی ٹاپ رکھنا'
حفاظت سے انہیں جانا ہے لیکر جہاں سے دوسرا ٹیلہ
گزر کر
کچھاروں سے چلا جاتا ہے بے روک"۔ کہا تب میں نے:
"اے استاد! منظر
عجب ہے یہ، بغیر بدرقہ آہ، اگر جاتے سفر پہ ہم اکیلے!
نہیں چاہوں انہیں تو راز داں ہے۔ سمجھ ہی گر نہ جل دے
جائے تیری'
چڑھے تیور نظر آتے نہیں کیا، وہ ہم پر کس طرح غراتے ہیں

۱۲۶۶ء شاعر کی عمر اسوقت ۳۴ سال۔ ۱۳۰۰ کا واقعہ جب یہ پہاڑی زلزلہ سے ہلی تھی۔

(پنجابی) تارکول

ماہرین کے ایذاؤں کا کیسی ؟" جواباً وہ : "تجھے اتنا بتاؤں
رمت کر، رضا جیسی بھی ان کی' پڑے غرائیں' غراہٹ یہ منظہر
ہے ان ارواح سے تا وَ کی جو غرق عقوبت میں یہاں ماتم
کناں ہیں"
پڑے پشتہ پہ وہ بائیں طرف کو، مگر دانتوں میں پہلے
بھینچ کر خوب
اپنی — نظر تھی سرغنہ پڑ وے ان کو اشارا، طنطنے سے
اس نے جو یا وائے دہن کے.

کینٹو (۲۲)

ن طاکس — آٹھواں طبق — طاق/ اطاق ایضاً

ں : ورجل اور دانتے دیووں کی ہمرہی میں روانہ اسی
ت کذائی کے گنہگاروں کو اسی طاق میں ملاحظہ کرتے ہیں
ں سے ایک کمپالو بجیلہ ان کے نرغہ سے نکل بھاگتا ہے.

ہوا تھا اتفاق اب تک مجھے تو کہ دیکھا گھڑسواروں
کو بدلتے
عسکری صف بندیوں میں، جگرداری سے دھاوا بولتے یا
بودات استادہ بترتیب۔ کبھی پسپائی کے ہنگام تا دور
دہ انہیں، بہر فرار — اور اریزو او بختے میدان تیرے.

گنتی کے لئے

لئے ہتھیار ہلکے پھلکے تو مان کہ تاراجی لوائے — میں نے دیکھے! (بیڑے)
تماشے، کھیل، دنگل، نیزہ بازی، جھپٹتے، دوڑتے، ڈٹتے، لپکتے
ابھی قرناؤں کی آواز پر اور ابھی ناقوس و طنبورہ کی دھن پر،
اشارہ کو شکی رفعت سے کوئی کہ گوناگوں نوادر سے — جو ایجاد
ہماری یا دساور کی مروّج — مگر حاشا نہیں شیرازہ پہلے
کبھی اس طور کا دیکھا تھا میں نے — جلوسانہ رواں، راکب
نہ رجبل اور
نہ بجرہ — خشکی و کوکب سے پا کر اشارہ جو معیّن سیدھ میں ہو —
ہم اپنی رہ پہ دس دیووں کے ہمراہ چلے جاتے تھے —
اُف دہشت فزا ساتھ،
کلیسا میں مگر یہ راہبوں کا، سرائے میں رسوئی گھر کے اندر (یا درچی خانہ)
اسی انداز کا بھٹ پیٹیوں کا۔
پھر نیچے پر نظر دوڑائی میں نے بغور اندر لبارے میں کہ دیکھوں
جھلس، بھن، نچک رہے تھے لوگ جو واں۔ کھولیوں کے لئے
ایسا ہی اونچی
اُبھاریں ڈلفنیں خمدار پیٹھیں کہ ہو جائیں خبردار اور اپنی
گرفتار بلائے سیل کشتی بچانے کو کوئی ترکیب کریں۔ (مچھلی)
اذیت سے افاقہ کے لئے یوں کم کرتا تھا وقفہ وار
پاپی
نمایاں، پھر نظر کی کوندسے جو بڑی پھرتی سے کر لیتا تھا اوجھل۔
یہ کہیئے کہ عین مین ان مینڈکوں سے کھڈّے پانی بھرے جو ہر

کے منہ پر

نکالے گلپھڑے صاف اپنے باہر چھپائے پیر، باقی اور دھڑ سب۔

ستادہ تھے وہاں ایسے خطا کار — مگر پہنچا قریں جب بربرشیہ

چھپاک اوجھل ہوئے موجہ کے نیچے — مرے دل کو مگر خلجان تھا، کیوں

وہاں ہے ایک کا چندے توقف — وہی رک جائے جیسے ایک مینڈک

غرقاب اگلا لگا جائے جو ڈبکی۔ گرتگن نے، وہی نزدیک تر تھا

بھری اس کے چپچٹ جھونٹوں کی مٹھی، گھسیٹا اور اسے باہر کیا چت،

مجھے تو اک سگ آبی لگا وہ — بخوبی میں انہیں پہچانتا تھا

OTTER یعنی ان دیووں (کو)

ہر اک کے نام سے، یوں دھیان کے ساتھ انہیں دیکھا تھا جب چھانٹے گئے تھے،

رہی تھی یہ توجہ بھی مخاطب وہ کس کس نام سے کرتے تھے باہم۔

یہ سب منحوس ٹولہ مل کے چیخا: "ارے او روبی کن تو دیکھ اسکو ادھیڑ اور ناخنوں سے کھینچ لے کھال"۔

یہ میں: "استاد ہو منشا اگر تو تبا یہ کون سی ہے فرح بدبخت

جسے اپنے عدو ایسے کھدڑیں۔" گیا میرا گورو پاس اور پوچھا،
جواب اسکو ملا؛ "میں نے لیا تھا نوارہ کی ولایت میں جنم، جب
مری ماں نے مجھے شامل کیا تھا موالی میں وڈیرے کے ـ
جنا تھا
مجھے جو ایک شہدے بدچلن سے، وہ جس نے زندگی اور
سب اثاثہ
لٹایا، دونوں ہاتھوں سے لٹایا۔ تھبالٹ، بادشاہ نیکدل کی
ہوا میں بعد ازاں خدمت پہ مامور۔ فتور اس جا مری
نیت میں آیا
خیانت کا ہوا میں مرتکب ـ سو چکاتا ہوں حساب اس
حامیہ میں۔
تو سیر یٹہ نے جھٹ، جس کے دہن میں بنڈ بلیہ کی سی
نابیں دو طرف تھیں،
اسے اک پر رکھا اور چیر ڈالا ـ برے پنجوں میں چوہا پھنس
گیا تھا۔
لسے پھر دونوں باہوں میں جکڑ کر پکارا ربر بشیہ: "تو الگ رہ،
پروتا ہوں دوشاخہ پہ اسے میں"۔ کیا منہ میرے رہبر کی طرف پھر،
"اگر ہے جی کرے معلوم کچھ تو تو کر دریافت اس سے
پیشتر، ہم
اڑا دیں اس کے پرزے "۔ اس پہ اس سے مرا قائد: "کھلے سے
یہ تو بتلا

NAVARRE اس خائن کا نام کمپالو تھا۔

نوارہ کا بادشاہ تھبالٹ اول متوفی ۱۲۳۳ء

شریکِ جرم تیرے ساتھیوں میں تہ قبر اس طرح کا بھی ہے
جس کا

تعلق ہو لٹائی مملکت سے"؛ وہ بولا "میں ابھی آیا ہوں ہو کر
جدا اک سے، فروکش جو نہیں دور، وہاں محفوظ بھی تھا ساتھ
اس کے

کلپ کنڈا یہ جنگل، اس جگہ تو ہراساں کر نہ سکتے تھے ذرا بھی"۔
لبی کو کو یہ بنکارا: "اٹھالی، بہت زحمت اٹھالی!"
ساتھ ہی تیز
دو شاخہ اس نے لہرا کر ہوا میں گاڑ دیا اس کے بازو میں، نسوں کا
بنا کر ساتھ قیمہ لے گیا جو۔ در انجی نہرہ رانوں کے تلے اب
دبو چا چاہتا تھا، بر ہمی سے جب ان کا سرغنہ گھوما بہر سو،
جبینِ تند سے رکھا انہیں باز۔ بہم جھگڑا ہوا انکا فرو جب
رجوع استاد اس سے بے توقف، ابھی تک جو تکے جاتا
تھا گھاؤ،
وہ کس کی روح تھی بد قسمتی سے جدا تو جس سے ہو کر، یہ کہا جو
چلا آیا تھا اس ساحل کی جانب؟" جواب اس کا؛ وہ
راہب گومتا تھا.
گلورا کا غلامِ حیلہ افریب، چڑھے آقا کے دشمن ہاتھ اس کے،
نگران سے وہ برتاؤ کہ سارے لگے اب پڑھنے بس کلمہ
اسی کا.
رقم ہتھیا کے دیدی تھی رہائی، کتھا اس کی یہی سننے میں آئی۔

لاطینی

سارڈینیہ کے چار اضلاع
ہیں گلورا، نینو و سکا نئ
نے اسکی تحویل میں دیا تھا.

لگوڈارو، ایک اور ضلع
میکل زراپنچے کی تحویل میں

اسے بار امانت جو بھی سونپا وہ سودا باز کچھ بدتر ہی نکلا۔
اسی کے ساتھ زندانی ہے سردار لگوڈارو کا میکل زراپنچے بھی
ہمیشہ سارڈینیہ ہی کا موضوع نہیں تھکتی زباں اس تذکرے سے۔
بروں، ہیہات، دیکھ اس دوسرے کو کہ بتیسی نکالے بے طرح سے
بتاتا اور بھی لیکن ہوں لرزاں مبادہ یہ کریں میرا کچومر۔
مڑا سردار سوئے فرفریلو بہ انداز زدن جو چھوڑتا تھا
نظر کی ماہتابی، اس کو جھڑکا: "پرے چل، وحشت ترے کی
مارکھنڈ ٹھگ"!

"اگر چاہو کہ دیکھو یا سنو تم ―" وہ پھر گویا لرز کر خوف سے یوں:
"کہ روحیں ٹسکنی لمبارڈی کی جتن سے میں کروں اس جا پدیدار
مگر اس دوران یہ چنگال جنگلی کریں اپنی غضبناکی گوارا
کہ ترسیدہ نہ ان کے غیض سے ہوں، یہیں اپنی جگہ پر رہ
کے موجود
اکیلا محض میں، حاضر کروں سات، سنائی دے گی جب سیٹی
مری تیز۔
وطیرہ بسکہ یہ اپنا ہے، اوپر بلانے کا ہم اک دوسرے کو"۔
کنازونے نکوسے وانت طنزاً، جھنجھوڑا سر، ہوا چل کر سخن گو:
"ذرا اس فتنہ گر کی چال دیکھو وہ یوں زیریں ڈبکی مار جاتے"۔
یہ سن کر وہ، نہیں صرفہ کرے جو اسے ہوں دستیاب ایذائیں نادر:
"بجا فتنہ اشد! انشا یہی ہے مجھے اندوہ ہو جتنا مہیا"۔
الی کینو نہ اس پہ رہ سکا چپ، وہ بول اٹھا، اسے روکا کے سب:

بچاؤ کی جگہ

"فتادہ تحت ہو کر تو، پیادہ تعاقب میں نہیں تیرا کروں گا"
مگر بالا کھرنچے سے، پُر افشار، کنارہ اڑتلہ موقع کی یہ جا
تجھے چل چھوڑ دیتے ہیں کہ دیکھیں اکیلا تو ہمیں دے جائے غچّا"
سن اب قاری مزے کا اک تماشہ!
نگاہیں گاڑ دی ساحل پہ سب نے، وہ چوکنّا بہت، ترغیب میں کی
پہل جس نے — ادھر داؤ لگایا، ملاروح نوارہ کو جو موقع
ٹکائے پیر جھٹ خشکی پہ اس نے اور اک طرارہ بھر کے
صاف وہ جا —
رہے سب دیکھتے کے دیکھتے ہی، غضب کی پھر تو جھنّاہٹ
سبھوں کو،
اشد اسکو بھی کوتاہی یہ جس کی — وہی بنکارتا یہ پیچھے پیکا:
"تجھے پس جان میں نے آلیا ہے"
مگر بے سود، پیچھے کی دوش سے کہیں بازی وہ دہشت لے
گئی تھی —
رواں پویا تھا — نیچے دوسرا وہ، یہ سینہ تانے پُر افشار بالا،
وہی جیسے اگر شکرے کو دیکھے قریب اپنے تو مرغابی غڑاپ
— اور
وہ بے نیل ومرام الٹے غضب میں — یہ صورت مضحکہ خیز اس
قدر تھی —
کلک برنا ہوا آپے سے باہر، عقب میں اس کے طیرانی،
بگولا

سلگتا دھن میں مرنے مارنے کی ۔ سبا دل گر تو نچ نکلا تھا ۔

اب یہ

ہوا چنگال زن ساتھی پر اپنے، تھے گتھم گتھا پھر لپٹتے پہ دونوں
مگر وہ دوسرا شہباز نکلا اڑا دے جو عدو کی تکا بوٹی ۔
ابلتی جھیل کے اندر گرے وہ تپش اب بن گئی مابین ثالث ۔
مگر اٹھنے کی کوشش رائیگاں تھی پر ان کے یوں چپک کر رہ
گئے تھے ۔

تاسف بربرشیہ اور دیگر رفیقوں کو ہوا اس سانحہ پر ۔
کیے اس نے روانہ چار سرپٹ دگر ساحل سے، سب اچھے مسلح ۔
اتر کر اپنی اپنی جا انہوں نے ہر اک جانب سے پھینکے تیز آنکس
اب ان بھوتوں کو، اپنے دنبلوں کے نہانی سوز سے جو
اینڈتے تھے ۔
اسی بپتا میں ان کو مبتلا یوں وہاں چھوڑ کر، ہم نے
کیا کوچ ۔

کینٹو (۲۳)

زیریں طاس — آٹھواں طبق — طاق / اطاق ششم

تلخیص : بھناہٹ کے مارے دیو ۔ کمہار پرپس نہیں گدھے

کے کان اینٹھنے کے مصداق ۔ اب دانتے کے درپئے آزار رہتے ہیں، جس کا وہ اپنے ذہنِ رسا سے پہلے ہی اندازہ کر لیتا ہے۔ ورجل اسے ان کی چیرہ دستی سے بچا لے جاتا ہے۔

پھر دونوں چھٹے طاق میں ریاکاروں کے عالمِ اجر و جزا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ عذاب انہیں یہ کہ کلاہوں اور قلیاقوں کے بوجھ تلے مسلسل طاق کے پیرامون مجبورِ سفر ہیں۔ یہ کن ٹوپ باہر ان پہ کار چوبی کا مطلا نفیس کام ہے، اندر سے تمام سیسہ کے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے مغضوبین میں سینٹ میری کے دو بانکے آنندی مہنت قتلنو اور لودر نگو ہمکلام ہوتے ہیں۔ سیافس نامی ایک مہا پاپی زمین پر مصلوب یوں چت پڑا ہے کہ جو گذرے، اسے روندتا جائے۔

JOYOUS FRIARS

عجب ہو کا سماں تھا، جس میں چپ چاپ چلے جاتے

تھے ہم ۔ اک پیش رو تھا،

رواں تھا دوسرا نقشِ قدم پر، خرامیدہ سڑک پر جس طرح ہوں

قلندر چھوٹی موٹی حیثیت کے۔

فساد

ابھی کے راڑ نے میرے خیالات کئے مبذول، میں

دہراؤں جی میں

پرانی بید پائی کی کہانی ۔ بیاں اس نے کیا ہے جس جگہ پر

جو مینڈک اور چوہے کا بنا حشر ۔ سمجھ کے بول سب بولی ہیں

کب ہیں،

سجھاتے ہیں مگر جو اتفاقات، بہم باریک بینی سے مقابل کیا جائے

اگر آغاز و انجام۔

نکل آتی ہے جیسے بات سے بات، بڑھے، لیکن نہ زیب

FABLES

کہانی یہ ہے: مینڈک نے ایک چوہے کو جوہڑ پار کرنے کے لئے پیٹھ پر اس نیت سے بٹھایا کہ منجدھار میں ڈبو دے گا۔ ایک چیل دونوں کو لے اڑی۔

داستاں کو،
کچھ ایسا ہی خیال آیا مجھے بھی، مرے اندیشۂ سابق میں جس نے
اضافہ کر دیا دوچند۔ یعنی کچھ استدلال اب میں نے کیا یوں۔
ہماری وجہ سے ان کی ہوئی یہ ہزیمت، یہ شماتت، اور یہ گت،
لہو بے طرح جس سے کھول اٹھے، اگر ہو طیش
ہم آمیز خواری
تو یہ جھپٹیں گے جھلاہٹ سے ہم پر کہیں اس سے بھی بڑھ
کر وحشیانہ
درندہ خو سگ تازی، پکڑے لرزتا ہانپتا اک لم کنّیا LEVERET
جھاڑوں میں جو اپنے کچکچا کر۔
کھڑے تھے رونگٹے دہشت کے مارے لہٰذا ہم کر
میں نے جو پیچھے
نظر دوڑائی تو گویا ہوا یوں: "نہیں جھٹ پٹ مرے استاد تو نے
اور اپنے آپ میں نے اوٹ اگر لی، کہ ترسیدہ ہوں خونیں
چنگلوں سے،
مجھے تو یوں لگیں درپے ہمارے ہنکاتے ہوں، تصور کی یہ شدت
کہ ہو محسوس بھی ان کا دباؤ۔" جواب اس نے دیا: "گر ساختہ تن
میں سربی آبگینے کا بھی ہوتا، تو جھلکاتا نہ اتنی جلد اس میں
ترے باہر کا پرتو جس قدر اب ترا یہ اندروں یاں منعکس ہے۔
یہ اس لحظہ خیالات آئے تیرے مرے آگے اسی روپ
اور ڈھب سے
کہ ہر دو سے کیا ہے اخذ میں نے ارادہ ایک ہی - دایاں
کنارا

نشیبی جو بہت ہے، گر وہاں سے ہم اتریں دوسری کھائی میں
— بچ کر
نکل جائیں تو ہوں محفوظ بے شک تعاقب کا جواب یہ
وسوسہ ہے۔"
بیاں مافی ضمیر اس نے مکمل کیا ہی تھا کہ دیکھا دوریں نے
کشادہ پر انہیں نزدیک ہوتے کہ بس آلیں ہمیں — رہبر نے
اس پر
مجھے یک لخت تھاما — ہو بہو جیسے کوئی ماں نیند کے عالم
میں چونکے
اچانک ہڑبڑا کر شور و غل سے بھڑکتا پائے شعلوں کو قریب اور
جھپٹ کر اپنے بچے کو اٹھائے، رہے اس سے نہ بڑھ کر ہوش اپنا
کہ ہے تن پر فقط اک زیر جامہ — بروں نکلے کنارے پر سے نیچے
گرایا اس معلق ٹیکری سے چت اس نے آپ کو، گھیرا ہوا ہے
ادھر کی سمت جس نے طاق اگلا —
SPOKES روانی تیز پانی کی بھی اتنی نہ ہو ناوک سے پن چکی کا پہیہ
TUBE گھمانے کو اراؤں میں اتر کر — گو رو بھاگا کگر کے ساتھ جیسا
مجھے تب گود میں اپنی اٹھائے، نہ ہمدم بلکہ میں بالک تھا جیسے —
ٹکے ہی تھے بمشکل پاؤں اس کے تلے واں طاس اسفل
میں کہ اوپر
کراڑے کے، وہ ہم پر آن پہنچے — مگر اب خوف اسے مطلق
نہیں تھا —
کہ اکبر کردگار — ان کو بنایا تھا حارس جس نے طاق پنجمیں پر
وہاں سے بیش رفتاری کی قوت سب ان میں سلب فرمائے
ہوتے تھا —

رنگا رنگ اک قبیلہ تھا ہ میں واں نظر آیا ہمیں، بوجھل
قدم سے
خرامیدہ تھا پیرا موں ۔ کیسا پھٹک منہ، جاں تپیدہ، اور گریاں۔
تھے وہ قلپاق اوڑھے جن کے قلّاب منڈھے تھے عین آنکھوں
پر، یہ ہیونیت
دہی ہاں پہنیں جو کو لونی قلندر۔ کئے دیتا تھا خیرہ ان پہ باہر
تھا زردوزی کا ایسا کام، لیکن وہ اندر سے تھا سیسہ کا سراسر۔
گراں ایسے کہ بس وہ ان کے آگے فریڈرک نے چڑھائے تھے
جو کنٹوپ ۔ ہمیشہ کو یہ تو بہ چیر بھاری۔
بہم اک ساتھ ان کے سنگ پھر ہم مڑے بائیں کو،
میرا دھیان ان کی
غم انگیز آہ وزاری پر لگا تھا۔ گرانباری کے باعث سخت ہلکان
تھے ایسے سست رو وہ نیم جاں لوگ کہ اپنے ہر قدم کی چال کیساتھ
بدل جاتے ہمارے ہمسفر بھی۔ کیا تب میں نے رہبر کو مخاطب:
"نظر دوڑائیے گر روح کوئی ملے ہو کام جس کا باعثِ نام،
نظر تو چلتے چلتے اس طرح ڈال۔ عقب میں، ان کے اندر
ایک لہجہ ہمارا ٹسکنی پا کر یہ چیخا:
"قدم کو روک تو اپنے کہ ایسا سبک رو ہے فضائے
تیرہ گوں میں
مگر خواہش تری بر آئے مجھ سے۔" پلٹ کر تب مجھے رہبر
کا فرمان:

OF COLOGNE

فریڈرک دوم نے سازشیوں کے منہ پر سیسے کے ٹوپ چڑھا دیئے تھے۔

چیڑ: چیڑا، لباس
بھائیوں کے چیڑے چمکیں
بہنوں کی چنریاں
(لوک گیت)

ہم اور آگے انہی کی چال سے چل۔" رکا، تو میں نے دو

روحوں کو دیکھا

بوجھ

ے نظروں میں شوقِ ذہنِ بیتاب کہ مجھ سے آملیں۔ لیکن وہ بوجھا

دان پر بار تھا، اور تنگ رستہ رسائی میں مزاحم ہو رہے تھے۔

وہ لیکن آملے جونہی، انہوں نے چھچلتی سی نظر دوڑائی

مجھ پر،

یں کی بات منہ کو بلکہ موڑا، باہم کی مشورت اور بعد ازاں

یوں:

ضرت صاف حلقومی عمل سے نظر آتا ہے جیتا جاگتا۔ اور

رہے جان بھی ہوں تو رعایت انہیں حاصل ہے آسودہ

رواں ہوں

اس بھاری چغے سے غیر ملبوس ہو! مجھے تب اس طرح:

"تُمکن یہاں جو

ہے سیر کو اس جامعہ میں، یا کارانِ شیون شیوگاں کی،

یں کر، احتراز اس آگہی سے کہ بتلائے ہمیں آخر ہے

تو کون؟"

"کنارِ آبجوئے ارنوِ خوش" جواباً میں "اس اک شہرِ

کلاں میں

یں، اور بڑھا میں، میری کاٹھی ہوئی تیار ہر دم ساتھ جو ہے۔

تم کون ہو، یہ غم زبردست دکھائی دے رہا ہے اس قدر کیوں

ائے عارضوں پر سے چکیدہ، شدید اس عالمِ اندوہگیں سے

یہ کیسی جانگزائی پھوٹتی ہے؟" جواباً ایک ان میں سے: "کلاہیں
ہماری ارغواں رنگ آب سے جو دمکتی ہیں، وہ سربسوختہ ہیں۔
کرے وزن ان کا میزانوں کو بھی شق، مہنت آنندی بو لگنا
کے باشی
تھے ہم — یہ لوورنگو، ہیں قتلنو — ترے بھی ملک کے بشمول،
جب لوگ
چکانے کے لئے اپنا تنازع بناتے غیر جانب دار ثالث"
تو پھر جو ہم نے کارستانیاں کیں مضافِ کاردنگو مظہر انکا۔"
سخن آغاز اب ہیں: "او فقیرو! تمہاری یہ ضلالت"
منقطع یاں
سخن میرا، کہ آنکھ اب جا پڑی تھی جو تھا اک شخص جو میخہ سردار،
زمین پر تین چوبوں سے گڑی یہ۔ مجھے وہ دیکھ کر اینٹھا،
ہوا مسخ
بڑی تھیں سلوٹیں داڑھی میں کتنی وہ ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا،
قتلنو بھانپ کر یہ بات بولا: "یہ روحِ یار را یار ایوں بصد غرور
تماشہ بین تو جس کا ہے یہ ہے وہی ذاتِ شریف" اس
نے دیا تھا
وہ استفتائے فارسی — روا ہے جو لوگوں کے لئے اک
فرد بھوگے۔
فتادہ ہے یہاں پر اڑ بڑنگا، گذر ہوتا نہیں یاں سے کسی کا
نہیں محسوس جو اس کو کرائے کڑی ہر ایک پر کتنی پڑی ہے۔

ANHAS

دھنس کی تنگناؤں میں پڑے ہیں اسی مانند اسرائیلیوں کے
غم واندوہ و بدبختی کا باعث۔ وہ باوا اس کی جورو کا، دگر بھی
شریکِ مشورہ تھے جو سبھا میں"۔
کیا محسوس میں نے حیرتی سا تکے جاتا تھا ورجل خاص کیسا
اسے، جو اس قدر ذلت سے بردار کھنچا تھا دائمی مردود بن کر۔
کہا اب اس نے اس درویش سے یوں: "ہماری یہ گذارش
ہے، پتہ دے
تجھے اس کی اجازت ہے گر، آیا ہماری دائیں جانب کوئی درّہ
سرابالا کا ہے جس میں سے ہو کر یہاں سے ہم نکل سکتے
ہوں دونوں"
نہ وہ کالے فرشتے آئیں آڑے ہمیں اس قعر سے کرنے
کو بیروں
بڑی اکراہ سے جو راہبر تھے، جواب اس نے دیا:
"نزدیک اتنا
تجھے جس کا تصوّر بھی نہیں ہو، نکل کر اس حصارِ اکبری سے
چٹان ایسی ہے جو افزوں تر ہے ہر اک دہشت فزا
وادی سے ___ الاّ
جہاں پہ اس کا چھجا شق ہوا ہے، اسی مسمار کی جانب سے چڑھ لو
ادھر سے ہے یہ آڑی اور اسکی نشیبی بھی زیادہ تر چڑھائی"۔
ہاں چندے کھڑا سر کو جھکائے مرا استاد، پھر ایسے سخن راں:
"غلط مت دی ہمیں اس نے پرے جو بُرے آنکس میں

لٹکاتے ہوتے ہیں۔"

یعنی عفریت نے

تو وہ درویش اسے: "شیطان کے سوسنے تھے عیب

جو مگنا میں، میں نے

انہی میں ماسوائے دیگراں یہ — وہ اک جھوٹا ہے سب

جھوٹوں کا سرتاج"۔

وہ جب یہ کہہ چکا تو میرا آقا ئد بڑھا بھرتا ہوا آگے بڑے ڈگ،

تھی اسکی آنکھ میں بیجاں خشونت، لہٰذا چھوڑ ان روحوں کو

میں بھی

گراں باری سے پستا، ہولیا اک سبک نقش قدم پہ پیچھے پیچھے

کینٹو (۲۴)

زیرین طاس ـ آٹھواں طبق ـ طاق/اطاق ہفتم

تلخیص: اپنے مہربان آقا کی نگرانی میں، بلا دِقّت دانتے چھٹے طاق سے نکل کر ساتویں میں داخل ہوتا ہے۔ ٹھگ اور لیٹرے یہاں مغضوب ہیں۔ انہیں موذی لبس بھرے ناگ ڈستے ہیں۔ پستوئیہ میں ولی جیمز کے کلیسائی نعم خانہ میں نقب زنی کے مجرم ونی فکسی کی روح اسے فلورنس اور وہاں کے شہریوں پہ نازل ہونے والے سنگین مصائب سے پیش آگاہ

کرتی ہے۔

اوائل ابتدائے سال میں جب کیا کرتا ہے سورج اپنے گیسو
موافق، مرتبانِ دلو میں، اور گھٹیں راتیں مساوی دن کیجانب،
کمبھ یا برج آبی (جنوری کے آخری دن)
زمیں پر دھارتا ہے روپ کہرا سگی ہو چکیلی ماں جائی کا اپنی،
نہیں رہتا مگر کمزور غلبہ زیادہ برقرار اس کا — تو ٹالی
کہیں دیہات میں اٹھتا ہے، اس کا ہوا جاڑے کا سب
اندوختہ ختم۔

وہ دوڑاتا ہے ٹانڈے پر نظر، اور اسے پاتا ہے کافوری
ٹانڈا۔ کھیت میدان یعنی برف کا
سپیدہ،
تو رہ جاتا ہے رانیں پیٹتا وہ بچارہ بے کلی سے، لوٹتا ہے
پھر اپنے جھونپڑے میں اور پھر کر،
جلی قسمت کو روتا کوستا ہے۔ شکستہ خاطر و درماندہ بندہ،
نکلتا ہے وہ جب دوبارا باہر تو اپنے سینے میں کرتا ہے محسوس
نئی امید اک انگڑائی لیتی، اچھلتا ہے دل اس کا بلیوں اب
ہوا ہے دم کی دم میں ماجرا کیا۔ پلٹ ڈالی زمیں نے اپنی کایا
تو آنکھ لے کے، جو تھوڑے بہت ہیں وہ اپنے ڈھور رکھے
مرغزار، چراگاہ
میں ہانکتا ہے۔

ہمیں صورت مرا رہبر کبیدہ، مجھے بھی، تھے ہویدا مجھ پہ اس کی
جبیں سے جب پریشانی کے آثار، ہمیں صورت تکدر دور سارا
شتابی سے ہوا، اترے جو نیچے شکستہ پل سے، منہ میری طرف کر

کیا اُس نے نگاہِ لطف کے ساتھ وہی ۔ پہلے پہل دیکھی تھی
آڑی سرازیری کے دامن میں جو میں نے ۔
بغور اس نے کھنڈر کو دیکھ کر کچھ کیا اندازہ جی ہی جی میں پہلے
بڑھایا اُس نے آگے اپنا بازو، اٹھایا یوں مجھے اوپر کو، جیسے
کوئی مصروفِ کاروبار ثمرہ کرے اپنی بھری محنت کا تخمین ۔
کہ ہو حاصل کا درک پیش بینی ۔ مجھے یوں اس نے چوٹی
کی پھننگ پر
اٹھا کر، دوسری پہ تک لگائی ۔ وہ بولا "تھام لے پہلے مگر
جا پرکھ
تجھے جو لے سہار ایسی بھی ہے یہ ۔ ہم سالار کی جب ہو
قیادت
سفر کی پھر حقیقت ہی نہیں کچھ" ۔ بدقت وہ ۔ سبک گو ۔
اور میں بھی
کنگرے تا کنگرا اوپر کھسکتے چڑھے تھے اور نہ ساحل کا سوا نہ
سوا ہوتا اگر پہلے سے، اس کا نہیں کچھ علم مجھ کو، میری ہمت
یقیناً ساتھ دے سکتی نہ میرا ۔ مگر یہ میلی بلج ایسی نشیبی ۔
ڈھلانے سے تھی دھرِ پاتال تک سب، یہاں سے ہر پہاڑی
لامحالہ
محل کے اعتبار اک سمت ڈھالو، جو بالا رُخ، تو دیگر سمت
زیریں ۔
بالآخر ہم وہاں پہنچے جہاں سے اُبھر کر آخری پتھر جھکا تھا

وہاں اب آئے تو اُف سانس میرا سماتا ہی نہیں تھا پھیپھڑوں میں
یہ عالم، چل نہ سکتا تھا قدم بھر، وہیں پر رہ گیا بس ڈھیر ہو کر۔
گورو بولا: "دکھا مردانگی اب، کہ ابریشم کے طرّوں چھتر چھایا
تلے کی استراحت سے میسر نہیں ہوتی ہے شہرت ۔ اور
اس میں
گذاری بھی کسی نے زندگی گر تو اپنا نقش یوں چھوڑا جہاں میں
فضا میں دود، جیسے سیل پر کف۔ پس اٹھ تو اور قابو پا تھکن پر
مدد سے ذہن کی ۔ ہر معرکہ جو کیا کرتا ہے سر، یوں ساختہ ہے
دباؤ سے نہ گر اپنے بدن کے فرو ماندہ کرے محسوس خود کو۔
ابھی چڑھنا ہے اونچی نردبان اور نہیں کافی کہ بچ نکلے ہیں
ان سے۔
مجھے خاطر میں تو لائے اگر ہے مری یہ پند، بہرہ ور ہو اس سے۔
اٹھا یکبارگی میں مضمحل گم بظاہر درحقیقت جس قدر تھا۔
کہا یہ اس سے: "بسم اللہ، اب میں قوی بھی ہوں، نڈر بھی۔"
اب سر کوہ
ہماری راہ پیمائی کٹھن تھی ۔ کہیں اڑبڑ یہ پہلے سے زیادہ
بہت ہی تنگ، ترچھی اور آڑی، چڑھے گر کوئی ۔ میں
گویا مسلسل
رہا یوں کوہ پیمائی کے دوران تھکا ماندہ بھی دکھلائی نہیں دو
سنائی دی مجھے گھاٹی سے آتی صدا سی اک تکلم سے کہیں کم
بکھرا تھا گرچہ اس محراب پہ میں اترتی تھی جو پار اس جا سے پر کچھ

پڑا پتے نہ وہ الفاظ کیا تھے۔ مگران کا مخاطب تا ڈیں تھا۔
جھکا نیچے کہ دیکھوں، تیز تھی آنکھ مری ہر چند، پرتہ تک نہ پہنچی۔
کنن وہ گھپ اندھیرے کا پڑا تھا۔ کہا اس پر یہ میں نے، ذکر گورو تو
رخ اگلے طاق کو اپنے قدم کا، اور اس دیوار سے ہم جائیں نیچے
کہ واں سے جو سنا سمجھا نہیں کچھ، اسی طور اب جو اسفل میں بھی جھانکا
سجھائی دے نہیں خاک۔" اس پہ وہ یوں: "نہیں دوں ہیں
جواب لاّ عمل سے،
مناسب التجا کا شاخسانہ مگر ہے بہتریں خاموش تکمیل"۔
سرے سے پل کے اترے ہم جہاں یہ ہولے ہے آٹھویں
ٹیلے سے پیوست،
ہوا جو وا لغار اسامنے اب ۔ بھیانک اژدہوں کی ایک
بانبی
مجھے آئی نظر کیسی لبالب ۔ عجیب، ایسے مہیب، اس ڈھال
کے ڈول
کہ یاد آئیں تو اب جم جائے میری وریدوں میں حیات انگیز دوران
نہ اپنے ریگزاروں پر زیادہ اب اترایا کرے لبیا، اگر ہے
وہ بھومی ناگیاں ایسی بکثرت اور یہ ہیں، چتر ہیں، گوکھرا ہیں،
دو موہے کوڑیالے ہیں ۔ بلیات ڈراؤنی ان گنت اتنی،
کہاں ہے
بساط اسکی مہیا کر سکے وہ، نہ ہی سارے حبش میں، اور نہ
کچ نچ

ہیں بافراط قلزم کا بجیرہ۔
لگائے بیمِ وحشت خیز کے پر، وفورِ خوفِ رنجوری
سے روحیں
برہنہ یاس کے عالم میں پویہ، کوئی روزن ملے جس میں دبک لیں،
سلیمانی انگوٹھی یا انہیں جو بنا ڈالے الوپ اپنے عمل سے۔
بندھے تھے ہاتھ ناگوں سے پسِ پشت، دُم و سرجن نے
پیوستہ کئے تھے
وریدوں سے، لپیٹے کھا کے پہلے۔ ہماری سمت جو نزدیک تھا۔ لو
اک اچگر آر پار اس سے اچھل کر جہاں شانوں پہ گردن
دوختہ ہے۔
پھر اس سے بھی کہیں سرعت سے خامہ بنائے واؤ ہمزہ —
آگ پکڑی
بھسم ہو کر بنا وہ راکھ کا ڈھیر جو بکھری فرش پر، یوں منتشر وہ
رہا کچھ دیر چت، مٹی گندھی پر، اکٹھی ہو گئی جو آپ اور جھٹ
ہیولیٰ ہو گیا تیار اس کا۔ حکیمانِ سلف سے ہے روایت
مکمل جب کرے ققنس عرب کا قریباً دور اپنا پانسو سال
فنا ہوتا ہے وہ فی الفور۔ لیکن جنم لیتا ہے دوبارہ، نہ بوٹی
نہ تنکا عمر بھر وہ منہ پہ رکھے، غذا اسکی شمیم افزا حمامہ
ہے یا لوبان کے آنسو، کفن ہے اگر تو بال جھڑ یا مُر کی مٹھی۔
وہ کیفیت، کوئی گر جائے لیکن نہ سمجھے کیا ہوا، اس کو زمیں پر
کوئی آسیب کی طاقت گھسیٹے جکڑ کر نا پدیدہ بندھنوں میں۔

چھوٹی الائچی
گوند کی رال، ببول

کرے تاب و تواں شل آدمی کی کہ جب سکرات سے کچھ
ہوش آئے
پھٹی آنکھوں سے بولا یا سا دیکھے اذیت کیا بھیانک تھی، سہی جو
تکے بس حیرتی سا ، بھر کے آہیں۔
اٹھا پاپی وہ ایسا بھونچکا، اف کڑی سنگین تعزیریں خدائی
غضب میں انتقامی تند ضربیں رسید ایسی بلا کی ۔ کون تھا وہ
مرے استاد نے پوچھا تو مجمل جواب اس کا: " وَنّی فُکچی سے موسوم۔
ہوتے ہیں چند ہی دن ٹسکنی سے بہا ہوں اس مغلظ نابداں میں،
درندانہ حیات ایسی کہ اس پر غلط ہے لفظِ انسانی کا اطلاق،
میں اک پالو ملا تھا اک طویلہ مری اوقات کا پستوئیا میں۔"
کہا ورجل سے میں نے " تو اجازت اسے مت دے یہاں سے
جائے، یہ پوچھ
مفید ہے تو کس پاداش میں، یوں ۔ جہاں تک یاد آتا ہے
مجھے کچھ جنونی اور خونی شخص تھا یہ۔"
یہ پاپی نے سنا، کی بے تعرض توجہ میری جانب اور منہ بھی
ہویدا جس پہ تھی پھٹکار بھونڈی۔ وہ بولا: " رنج تو ہے یہ زیادہ
کہ اس ہیت کذائی میں یہاں پر مجھے تو آن پکڑے ۔ ہائے
تو نے
مرا دیکھا تھا وہ عالم بھی جب میں ہوا رخصت حیاتِ عارضی سے۔
نہیں اب اس قدر یارا بھی افسوس کروں رد تیرا استفہام
ہی میں

ہوا ہوں واصل تحت الثریٰ میں کلیسائے نعم خانہ سے چوری
تبرکات جو میں نے کئے تھے۔ پھر اپنی کرنی کا جھوٹا الزام
کسی معصوم کے سر مڑھ دیا تھا۔ مری درگت سے تو خوش بھی
نہ لوٹے
جب اس اقلیم تیرہ سے ہو رخصت ۔ کھول اپنے کان سن
جو بد خبر دوں۔
مصیبت آئے گی پستو ئیا پر کہ پہلے ہو گا وہ محروم نیری ‘
فلورنس اپنے شہری اور آئین بدل ڈالے گا پھر آئے گا لیکھ
ولادی مگر سے پُر طیش مریخ اک ابخرِ تیرہ مرغولوں میں ملفوف
بڑی ہی شدتِ تندی سے جولاں، کرے گا پیسینو میداں
پہ بوچھاڑ ‘
بگولوں پر سوار اک بارگی پھر مہاوٹ ، ٹوٹ کر برسے گا بادل
کہ آکر زد میں ہر اک بس بیانکو گرے گا خاک پر اوندھا ــــ
یہ میں نے
بتایا ہے کہ تیرا بھی کلیجہ غم واندوہ سے دو نیم ہووے۔“

دنی ڈلا کے سر جیسے موت کی سزا ہوئی۔

۱۳۰۰ ویں بیانکہ ونیری دو گروہ پستوئیہ میں معرض وجود میں آئے۔ ۱۳۰۱ میں بیانکہ نے نیریوں کو فلورنس سے نکال باہر کیا۔

PISCENO
یعنی بیانکو جماعت کا ہر فرد۔

کینٹو (۲۵)

زیریں طاس ــــ آٹھواں طبق ــــ طاق / اطاق ایضاً

تلخیص: کفن چور فکسی جھنجلا کر کفر بکتا ہے، سانپ اسے چمٹتے

میں تو دوڑ لیتا ہے۔ کاکس قنطورس کے روپ میں پیچھا کرتا ہے۔
حلیہ اس قنطورس کا یہ ہے کہ کولہوں پہ گویا ناگوں کی پٹاری بندھی ہے
اور مونڈھے ضحاک کی، جن پر اژدہے آگ پھنکارتے ہیں۔ ہمارے
شاعر کو یہاں تین ہموطن مل جاتے ہیں۔ اس کے دیکھتے دیکھتے
دو کی محیرالعقول کایا کلپ ہوتی ہے۔

وہ پاپی کہہ چکا جب یہ، مزاجاً دکھایا اس نے ٹھینگا
اور پکارا:
"ترے منہ پر، سنبھال اب یہ خدایا" عزیز از حد مجھے سانپ
اس گھڑی سے
لپٹ کر ایک نے گردن سے اس کو بہت ہی سخت گھونٹ
اور کہا یہ،
"زباں! تو بند کر بکواس اپنی" تو رینگا دوسرا باہوں کے اوپر
انہیں پکا جکڑ کر خود کو ایسا کسا پھر پیچ کر جنبش کی ساری
سکت ان میں سے یکدم سلب کر لی۔
یہ کیوں پستوئیہ، پستوئیہ آہ! تجھے ہو شک بنے گا راکھ
کا ڈھیر
رہے گی یوں گندھی مٹی نہ تیری، کہ تو خانہ خرابی کے عمل میں
سلف سے اپنے بازی لے گیا ہے۔ نرگ کے سارے تیرہ طاروں میں
نہیں دیکھی تھی ایسی روح میں نے کہ یوں اترا کے اکڑی ہو خدا سے
گرا تھا تھیبز سے جو سر یہ اوندھا، نہیں وہ بھی نہیں۔ جھپٹ ہوا یہ

کپانی اس، ذکر ۱۴ ویں
کینٹو میں ہوا ہے

ہ یاوہ گوئی کی اس نے مزید اب۔ غضبناک ایک قنطور آن پہنچا

ہائیں اس کے عقب میں چیختا یہ: "کہاں ہے وہ خبیث

انسان کدھر ہے؟"

ہیں ہوں گے مریا پانک پر بھی جو اس کے ڈھکنے پر غولِ افعی

ٹسکنی کی ساحلی دلدل

نا اک مکھیال سا چہرے کی حد تک۔ پھر آگے دوش پر ہیسر

ڈھنکنا: ٹھیٹھ، کولہا،

کے پچھاڑی

ز اک اژدھا تھا بال افشار، ہر اک پر آگ جو پھنکارتا تھا۔

رہبر مجھے: "کاکس ہے یہ شخص، اون ٹائن گری کے عین نیچے

گری: پہاڑی: جیسے نیلگری

ہائیں ندیاں اس نے لہو کی۔ یہاں اہلِ وطن سے دور اپنے

م زن ہے بہ مجبوری دگر راہ۔ کیا تھا بھاری گلہ نے پڑاؤ

ب اس کے، وہ ہتھیا یا بجیلہ۔ قوی ہرقل کے زیرِ گرز آ کر

ئی چوری چکاری ختم اسکی۔ رسید اس نے تو کیں ضربیں

اسے سو

دسویں ہی پہ لیکن شل ہوا تھا۔"

ابھی گفتار جاری ہی تھی اسکی، ہوا قنطور رخصت،

اور نیچے

ے، آن پہنچیں تین روحیں، ہوا مجھ کو نہ کچھ احساس ایسے ہی

وہ چلائیں جب تک: "کون ہو تم۔ کہو!" تب گفتگو کی بند

ہم نے

یا مرکوز ان پر دھیان اپنا، مری ان سے شناسائی نہیں تھی،

ز ہوتا ہے جیسے اتفاقاً پڑا نام اک کا لینا دوسرے کو

ایک فلورنسی تھا

یہ کہہ کر: "تو کہاں گم ہے سیا نفہ!" اشارے کے لئے انگلی اٹھا کر
رکھی ہونٹوں پہ میں نے فکر فرما استادہ تاکہ میرا رہبر ہو۔
اگر قاری تجھے باور نہ آئے جواب کہنے کو ہوں، حیرت نہیں کچھ
کیا حجت سے خود تسلیم میں نے، مری آنکھوں نے جو مجھ کو دکھایا
پڑی ان پہ نظر۔ اک مار شش پا اچھل کر ایک پہ، اسکو جکڑ لے
میچوڑے بطن پچھلے دھڑ سے، بازو کسا ہر ایک اگلے پاؤں
کے ساتھ
گڑو دیئیں اس میں ہر گال کے سخت بڑی ہی کچلیاں، تو پاؤں پچھلے
پسارے اس طرح رانوں پہ اپنی، دم ان کے درمیاں سے
کر کے داخل
دیئے پیچھے وریدوں پر لپیٹے۔ بلوط کہنہ سے بھی عشق پیچاں، کبھی چمٹی
نہیں ہو
گر جیسے دیئے تھے بل بٹے اعضا پر اس کے
بھیانک اور موذی اس بلا نے۔ مٹتے اک دوسرے کے ساتھ
پھر یوں
کہ سوزاں موم کے ہوں، رنگ گڈ مڈ ہوئے باہم کوئی بھی ایک
جو تھا
نہیں باقی رہا اس کا نشاں تک۔ فلیتہ، گھٹ کے جل بجھنے
سے پہلے
بھڑکتا ہے تو ایسا ماند ہو کر، ابھی بالکل سیہ پڑتا نہیں ہے
سفیدی گرچہ مرجاتی ہے اسکی۔ دگر دونوں نے یہ دیکھا تو کیسی

دہائی دی: " اگنلو آہ تیرا یہ حلیہ بن گیا کیسا کہ اب تو

پورا نام : اگنلو برنل الیشی

نہ دوہرا ہی نظر آئے نہ تنہا ۔ جُڑے دونوں کے سر اک سار باہم"

ہوئے دو پیکر اب اک کالبد میں نمودار اس جگہ دونوں جہاں پر

ابھی ناپید ہو کر رہ گئے تھے ۔ جہاں اندام کے بازو بنے دو

وہ چھاتی، پیٹ، رانیں اور ٹانگیں ہوئے ہیئت میں ایسے

منقلب، جو

کبھی پہلے نہ گزرے تھے نظر سے، نخستیں شکل کا ہر نقش معدوم

ذرا بھی تو نہ اندازہ انہیں تھا کہ دونوں کی ہوئی کایا کلپ کیا۔

سو ڈھیلی چال سے چلتے بنے وہ ۔ جب اپنے سوط سے

شعریٰ یمانی

(SYRIUS)

ستمگر، کھیت کر دیتا ہے چٹیل، چھلاوا سا نظر آتا ہے گرگٹ

کہ جھڑ بیری سے جھڑ بیری کو کھسکے، وہ جب بھی راستہ کاٹے

— اسی طور

وگر دونوں کی آنتوں کی طرف کو لگا بڑھتا ہوا سر پہ اک ببھوکا۔

سانپ

سیہ فلفل کے دانہ کی طرح وہ بھجنگ اور نیلگوں — پھر

چھید ڈالا

وہ حصہ جسم کا اس نے، جہاں سے پہنچتی ہے ہماری جان اوّل'

یعنی ناف

گرا چت اینڈ کر آگے اسی کے ۔ اسے تکتی تھی بر باقی ہوئی روح

نہ کچھ بولی، کھڑی بے حرکت و حس جما ہی اس نے لی، جیسے کسی کو

ہو غلبہ نیند کا، یا دورۂ تپ ۔ وہ دیکھے سانپ کو اور سانپ اسکو،

اک اپنے زخم سے، اور منہ سے دیگر اگلتا تھا دھواں گاڑھا

کہ مخلوط بہم لائیں بجا راتی ہوں جن کی۔
سنے چپ سادھ کے لوگن بغور اب، کہے مت تیرؔ
احوالِ تتبہ کن
سبے لی، اور نہ تیراہی لسیؔ ڈس۔ ہوگنگ اوِڈ بھی۔ کیا
تیراس نے مارا
بیاں کی نغمگی سے داستاں گر اری بھتوسہ وکڈمس کی۔ کہ متقلوب
یہ افعی اور وہ عینِ زلالی۔ مجھے ہو رشک کیوں، موزوں انے
وجود ایسے کئے دو منقلب کب مقابل روبرو، دونوں ہی پیکر
جب آمادہ تھے اس پر اخذ کریں وہ جنس یکدگر۔ لپیٹے مکمل
کھپے حلیہ میں باہم، سانپ نے تو کیا شق بانٹ کر دنبالہ اپنا
دو شاخہ میں تو وہ بشگافتہ روح سمیٹے پیر اپنے گتھ گئی یوں
کہ ٹانگیں اور رانیں ہوگئیں ایک، رہا باقی نہ ملنے کا نشاں تک،
کھنچی دم، ڈھل گئی اس روپ میں جو، ابھی وہ روح زائل
کر چکی تھی۔
بڑی اسکی اگرچہ بڑی ملائم، کرخت اک قشر سی تھی دوسرے کی:
نظر مونڈھوں پہ جب دوڑائی تو وہ بغل میں دھنس گئے تھے
اس بلا کی،
ہوئے کوتاہ دونوں پیر جیسے دراز اور دوسرے نے وہ سکوڑے،
الجھ کر پیر پیچھے بن گئے تھے وہ حصہ ستر میں ہم کہتے ہیں جس کو،
ہوا جو چر کے اس بدذات میں دو۔ پھر ان دونوں کو اندھیارے
دھو میں نے

رومی شاعر ۳۹-۶۵ء
شمالی افریقہ کا ماہر ہنیات)
تیسری صدی عیسوی

اووڈ: پبلی اس اووی
ڈی اس ناسو
رومی شاعر ۴۳ ق م تا ۱۷ء
کڈمس: ایک فینقی فسانوی
شہزادہ جس نے ایک اژدھے
کو مار کر اس کے دانت بوئے
تو کئی شجاع اگ آئے
جنہوں نے تھیبز کی بنیاد
رکھی۔
(اربھتوسہ: یونانی فسانوی حور
جس نے عصمت بچانے کو
چشمہ کا روپ دھار لیا تھا۔)

ملنے کا: جہاں سے ملے
وہ جگہ

اڑھائی اک نئی رنگین چادر ۔ تو اُبھرا ایک پرتو فالتو ماس

رسولی سا، بدن سے دوسرے کی وہی کھرچا گیا ہو ملو ستادہ

وہ سیدھا پیر پہ ہے، یہ فتادہ ۔ ابھی ان کے تنک جھلل

دیئے تو

نہیں تھے منتقل، البتہ زیریں ہوئے تھے منقلب سارے خدوخال

جو استادہ تھا سیدھا، کھنچ کے چہرہ چڑھا کن پٹیوں کو اور

وال ماس

کہ آیا فالتو وہ سینت ڈالا صفا گالوں پہ سے کانوں کے باہر

جو باقی بچ گیا تھو پا نہ پیچھے کہ اس زائد سے بینی بن گئی تھی

لب اُبھرے ٹھیک اندازے سے بھر کے ۔ زمیں پہ جو پڑا

تھا چت سے کیا منہ

لمبوترا اس نے تیکھا، کان اُڑسے درونِ سر کر جیسے

SLUG)

کر کلاسینگ ۔

زباں اسکی کہ پہلے بے تکاں تھی پئے گفتار جیسے کٹ گئی ہو۔

دگر کا ڈنک بھی بھنچ کر ہوا بند ۔ یہ جب سب ہو لیا تو چھوٹ

گیا دود ۔

بلا کی جون میں بدلی تھی جو روح کھسکتی ہے دمن کو ہسہاتی

اور اسکے پیچھے پیچھے دوسری بھی،

مگر بکتی ہوئی کچھ اول فول اور کیا نورستہ شانوں کو پلٹ کر

دگر کی سمت تھو، مہمل لے یوں: "چلا آ رینگتا اس راستہ پر

بواسو، میری صورت بس لپک اب"۔

سو پے درپے ہم وزیر تغیر" کیا طوماربے محکم کا میں نے
تماشا طاق ہفتم میں — یہاں گر کوئی لغزش ہوئی میرے قلم سے
نرالے واقعات ایسے تھے، اسکو بس ان کا شاخسانہ جانیے گا۔
مری آنکھوں پہ حاوی اضطراری، مری سوچوں پہ استعجاب طاری
وہ در پردہ نہیں چھپتے ہوئے تھے۔ سیا کا ٹو تو میں نے
صاف دیکھا،
تو پہلے تین آ نکلے تھے ان میں بس اک اکی نہیں بدلی تھی ہیئت،
دگر کے حشر پہ گاول ابھی تک پشیمانی کا اک عالم ہے تجھ پر۔

ایک ڈاکو

(تھا گاول نزد فلورنس ایک فرانسکو گریکو کوا کائی نامی کو قتل کیا گیا جس کی پاداش میں کئی شہری ہلاک ہوئے۔)

کینٹو (۲۶)

زیریں طاس — آٹھواں طبق — طاق ہشتم

تلخیص : جہاں سے ساتویں طاق میں آئے تھے، دوبارہ سیڑھیاں چڑھ کر اس ڈاٹ سے آگے بڑھتے ہیں جو آٹھویں تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں سے انہیں ان گنت اگنیاں دکھائی دیتی ہیں جس میں بُری مت سکھانے والے جھلس رہے ہیں۔ ہر شعلہ ایک غلط الرائے مشیر کو کباب کر رہا ہے۔ ایک بھبوکے میں ڈلوتڈ اور ایس اکٹھے جلتے ہیں، موخرالذکر اپنی موت کا واقعہ بیان کرتا ہے۔

خوشی سے پھول کر اترا فلورنس تجھے ہے طمطراق

افزوں حاصل

انیں تیری بر و بحر پر کیا، جہنم تک میں تیرا نام پہنچا۔

ھیتوں میں مرے تینوں ملاقی ترے باشی تھے — میں فرزند تیرا

یت شرمسار اس واسطے ہوں — شرف تیرا سوا اس سے

نہیں ہے۔

ہمارے ذہن گر خواب سحر میں کیا کرتے ہیں سچی پیشگوئی

ھے دن دیکھنے ہوں گے یہ جلدی — پراٹو (اور کا تو ذکر

ہی کیا)

یا ہے تو بھی تجھ پر آ پڑیں گی — بڑا ہی برمحل یہ واقعہ ہو

فی الوقت تجھ پر بیت جائے، کہ شدنی امر ہے خواہی نخواہی،

مضمحل کر دے گا میرے قویٰ جب دکھ نہیں پھر سہہ سکوں گا

اس تھاہ سے اب کوچ ہم نے — بدقت کوہ پیما

راہبر تھا

یلے کھنگروں پر جن سے پہلے اتر کر آئے تھے ہم —

اور ہمراہ

زیری پہ مجھ کو بھی گھسیٹا — پہاڑی کے کرڈلے کنکروں میں،

ودق راہ پر یوں ہم روانہ کہ اٹھتے ہی نہیں تھے پیر جب تک

نہ آتے تھے کمک کو ہاتھ اپنے۔

ہوا مجھ پر شدید اندوہ حاوی کہ ہر جاتا ہے تازہ

آج بھی وہ

پراٹو، فلورنس کے قرب میں۔ تباہیاں ایک پل کی تباہی اور آتش زدگی کی صورت میں ۱۳۰۴ میں نازل ہوئیں جن میں جانوں اور مکانوں کا کثیر اتلاف ہوا۔

مرادھیان اس پہ جاتا ہے کبھی جو کیا تھا میں نے نظارہ ۔ ہمیشہ
ہے اپنی مقدرت سے بھی زیادہ مری یہ سعی کھینچوں راس، بس میں
رکھوں ہر فطری استعداد اپنی مبادہ وہ بھٹک جائیں جہاں پہ
نہیں قبلہ نما ہوتی ہے نیکی ۔ مجھے گرشیہ ستارے نے دیا ہے
فراواں خیر میں اپنے ہی ہاتھوں کروں ضائع نہ یہ عمدہ عطیہ"۔

سماں ۔ سورج نہیں کرتا ہے چہرہ ذرا بھی اوٹ
میں جب، جس سے سب کچھ
منوّر ہو ۔ سمے "مکھی" کے بدلے گراں بھن بھن ہو مچھر کی،
تو ہالی
لگائے ٹیک اک ٹیلے کی دیکھے ٹمٹکے وادی میں جگنو بے تحاشا
جہاں کھیت اور پھلواری ہیں اسکی ٹھکانے لگ چکی دن
بھر کی محنت۔
جھلاجھل ان گنت شعلوں میں ایسے، نمایاں تھی فضلائے
طاق ہشتم
سراسر، سامنے میری نظر پہ کھلی جب تھاہ اسکی ۔ جیسے اس نے
سلوک ناروا کا جس کے بدلہ لیا تھا، بھالوؤں نے ۔
کوچ اپنا
کیا الیاس کے رتھ نے تماشا، الف ہو کر اٹھے جب نقش اپنی
اڑان آڑی فلک کو، اسکی آنکھیں لگائیں زور تب ان کے
عقب میں
یہاں تک صرف اک لوکا ہی بالا پر افشاں ایک مبہم داغ جیسا

نظر کے سامنے اسکی رہا تھا ۔ اسی صورت تھا کھاڑی کے کنارے
ہر اک شعلہ خراماں ، ایک پاپی ہر اک میں اس طرح لپٹا ہوا تھا
کہ جیسے مالِ وزدیدہ نہ ظاہر کرے چور اور ڈاکو ایک شمہ"۔

جھکا میں جھلکنے کو پل کے نیچے ، لیا اک تودۂ چقماق
کو تھام

نہیں تو گر گیا ہوتا ، ذرا بھی نہ تاہم میں بلندی پر سے رپٹا ۔
یہ قائد نے جو دیکھا ، تک رہا تھا میں کیسی دیدہ ریزی سے
تو بولا :

"درونِ حامیہ روحیں ہیں یہ اور ہر اک بندیدنی آتش میں
ملفوف ۔"

پکارا میں : "ترے الفاظ استاد ! مجھے باور کرائیں ، لیکن القا
ہے مجھ پر یہ حقیقت پیشتر بھی ۔ تمنا تھی کہ ہو معلوم تجھ سے
کہ اس آگ میں ہے کون ایسے خرامیدہ کہ ہے چوٹی پہ دو نیم
سعود آئے نظر یہ اس چتا سے لٹکائے تھے جہاں تھیبی برادر۔"
پکارا گو وہ : "ڈیو میڈ اور الیسس عقوبت ہائے تعزیری اب
اس میں
کھٹے ہو گئے ہیں وہاں ، بعجلت یہ خمیازہ کہ جیسے طیش پہلے ۔
لگاتار آہ و زاری سے تاسف کیا کرتے ہیں اس اگنی کے اندر
کمیں پر اسپ کی ، وا جس نے چوپٹ کیا اک در کہ ہو اخراج
اس سے
وہ نیکو تخم ، جس نے قیصری روم کیا تھا کاشت ۔ وہ ماتم کناں
ہیں

اس چتا پر شعلہ پھٹ گیا جیسے
جانتا سو ان بھائیوں میں
ایٹی کولز اور پولی نیسس میں
ایسا بیر تھا ۔
ڈیومیڈ ، ٹرائے کا فوجی شجاع
جو طاقت میں ایچلز کے بعد
شمار ہے ۔ الیس ، اوڈیس کا
لاطینی نام ۔ ہومر کے حماسہ کا
سندباد

نہیں کچھ کم دغا بازی یہ جس سے کیا ایکلیز سے محروم اس کو
ہے شاکی نزع میں دیدمیہ اب تک، پشیمانی ہے اس تدبیر پہ بھی
ٹرائے میں کیا تھا جس سے اس کے پیلادم کو خرابہ" میں یہ گویا:-
"مجال گفتگو ان کو اگر ہے شراروں میں تو اے استاد درخواست
مری یہ جان دو ہرائی ہوئی تو ہزار اصرار سے بہر توقف
زراہِ التفات اس وقت تک یاں کہ وہ قرنی زبانہ آن پہنچے،
تو پھر یہ دیکھنا اس کی طرف میں رجوع آتا ہوں مشتاقی سے کیسا۔"
وہ ایسے: "قابل تحسین بہت ہے تری یہ التماس اس واسطے میں
اب اس پہ اعتنا کرتا ہوں، لیکن زباں تو روکیو۔ یہ کام میرا
سوال ان سے کروں میں حسب خواہش تری جو خوب اندازہ
مجھے ہے
وہ پھر ہیں جو نکہ یونانی تو شاید تر سے سے گفتگو میں ہچکچا ئیں۔"
وہاں یہ آن پہنچا تھا بھبوکا، مرے استاد کی دانست میں تھا
مناسب جو محل و وقت اس نے کیا آغاز تب ایسے: "ارے تم
فروکش دو جو اک آتش میں رو جو! اگر زندہ یقیناً تھے تو میں
تمہیں کچھ باعث تحسین ہوتا، سزاواری کا جیسا بھی قرینہ۔
جہاں پر جب کیا میں نے ترشح بلند آہنگ نغمے کا۔ مگر اب
نہ جنبش یاں سے آ گے، کوئی تم میں نہیں کھولے یہ جب تک راز
اس کو
اجل نے کس نگر میں یوں دبوچا کہ وہ ثابت ہوا ذاتی زیاں کار۔
جھٹ اس پارینہ شعلے سے کلاں قرن، لڑھکتا، سنسناتا،

اسب چوبی گھوڑا ...
اس نتیجہ ٹرائے سے ا...
گیا جہاں اسکی نسل نے ...
بنیاد ڈالی۔
ایکلیز کی محبوبہ لکومیڈز ...
پلاس ایتھین کا مجسمہ ...
متعلق مشہور ہے کہ ٹرائے ...
سلامتی کا ضامن ہے۔

جس طرح آگ

ہوا کے ساتھ ہوا کشمکش میں، پس و پیش اور چوٹی پہ لرزتا،

زباں سے کچھ صدائیں سرسراتا، بلاتا اپنا بالا لول — بولا:

"فراری سرِسِس سے جب میں نے کی تھی، مجھے جس نے رکھا تھا

سال سے بیشتر

اسیر سحر اپنا نزدِ قیطہ، یہ پہلے کی ہے بات اَن ئیس نے یہ نام

نہیں رکھا تھا ساحل کا ابھی تک — نہ تو لختِ جگر کا لاڈ چاؤ

نہ آدر اپنے بوڑھے باپ کا ہی، اعادہ بھی محبت کا نہیں، جو

خوشی کا تاج پینی لوپ کے سر سجاتی — کر سکے قابو ہڑک یہ

جہاں کی خاک چھانوں اور پرکھوں وطیرے زندگی کے، آدمی کی

بدی کو اور نکوئی کو — لہٰذا، عمیق و بیکراں قلزم پہ نکلا

اڑاتا اک سفینہ بادباں پر، وفاداروں کی مٹھی بھر جماعت

نہیں چھوڑا تھا جس نے ساتھ میرا — ہم اندلس اور الاقصا

مراکو

ہر اک ساحل سے گزرے اور دیکھے وہ ٹاپو سارڈینی، دوسرا بھی

ہر اک اشنان جن کو دے رہا تھا سمندر ان کے چاروں پہلوؤں سے

بوجہ عمر ڈھیلے پڑ رہے تھے مرے ساتھی بھی، میں بھی — آئے

جب ہم

درہ پہ آ تنگ کے، جہاں سے پرے تھی قدغن ہرقل حدول پر

قدم جانے نہ پائے آدمی کا — فصیلِ اشبیلیہ کی میں نے اپنے

اگر دائیں یہ چھوڑی تو گزر کر دگر ہاتھ آئے تھے پہلے سیوطہ۔

ہوا کی فسانوی کاہنہ جس نے
ایلیس کے ہمراہیوں کو جادو
سے سؤر بنا دیا تھا۔ ٹرائے
کا فسانوی شجاع، روم کا بانی

احترام کا خیال

کہا میں نے، مرے ہمراہیو ہم بھیانک ان گنت خطرات میں سے
گزر کر غرب میں جو آن پہنچے — گھڑی تھوڑی بہت باقی رہی ہے
"بچا رکھیں جو اس لمحے مگر ہم — شہادت تاکہ یہ زائل نہیں ہو
د کیا فی لیس کا ہم نے راستہ طے تو بے آباد دنیا سامنے ہے۔
د کرو تم یا د کس کی نسل سے ہو، تمہارا یہ مقدّر بھی نہیں تھا
، گذار و زندگانی وحشیانہ، تمہارا ہے اگر منصب تو یہ ہے
د کہ پاؤ دانشِ خوب و نکوئی' ! کہے میں نے یہ دو اک بول جن سے
مرے ہمراہیوں کے دل میں سر تیز ہوا بحری سفر کا شوق ایسا
کہ رُک سکتے نہ سدّرہ کے رہ گئے — بسمتِ شرق دنبالہ تھا اپنا'
بنایا پنکھ پتواروں کو ہم نے بھتی ایسی بے تکی پرواز گویا۔
دبا ؤ بائیں کو رکھا مدستور، ہر اک تارا ورائے قطبِ شب کا
ہوا تھا آشکارا، جب ہمارا گیا ڈوب اس طرح، اُبھرا نہیں پھر
وہ سطحِ بحر سے، ضو ریز اجالا نکھر کر پانچ بار ابھرا تلے چاند
اور اتنی مرتبہ ہی بجھ گیا وہ — رواں تھے اس رہِ بحری
پہ جب سے۔

دکھائی دی ہمیں تب دور مدھم پہاڑی ایک، میرے دھیان میں تھی
جو دیکھی تھیں ابھی تک، سب سے اونچی — خوشی سے ہم تو
پاگل ہو گئے سب
اسی دم سوگ میں بدلی مگر وہ — نئی خشکی سے اٹھا اک بگولا
لگا شدت سے جو کشتی کے آگے، دیئے اس کو بھنور میں
تین چکر

تو چوتھی بار دنبالہ اٹھایا، کیا غرقاب اسے گلھی کے بھاڑ۔ اور
مقدر کا لکھا پورا ہوا یوں کہ ہم پر دند نا تا سیل چھایا۔"

کینٹو

(۲۷)

زیریں طاس ۔ آٹھواں طبق ۔ طاق اطاق ایضاً

تلخیص: شاعر پچھلے کینٹو کے عذاب کا سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے بتاتا ہے کہ اب وہ ایک اور شعلہ کی طرف رجوع ہوا جس میں کاونٹ گیڈو ڈ مانٹ ملٹر و مقید تھا۔ کاونٹ نے اس سے ریاست رومگنا کا احوال دریافت کیا، پھر اسے ترغیب ہوئی تو اس نے اپنا تفصیلی تعارف کرایا اور بتایا کس گناہ کی پاداش میں ایسا عذاب بھگت رہا ہے۔

بھبوکا اب اٹھا اوپر کو، نرجیت پھر اپنی لوکری،
مت بولنے کو'
اور اپنے راستہ پر چل پڑا وہ اجازت نرم خو شاعر کی لے کر۔
اک اور اس کے جلو میں آن دھمکا، ندا گھم سے آئی نوک پر سے
اور آنکھ اپنی طرف کھینچی ہماری۔
بجا گو نجائی تھیں جس طرح پہلے کراہیں مقتولوں ٹی ھانٹی

اذیت کا یہ شکنجہ سسلی میں

نے اس کی

کیا تھا جس نے اس کا ڈھانچ ایجاد، عقوبت یاب کی تھی
دھونکنی پر چیخ

که دلِ روئیں تن کو کرب کے ساتھ نظر آئے وہ پرماتی ہوئی سی۔

نہ آئی پس بہم جب راہ کوئی، نہ ہی فوری فرار اس آگ میں سے

ڈھلے بولی میں ان کے غم فزا لفظ، مگر جونہی ملی گنجائش ان کو

نکل آنے کی باہر، نوک پر سے، بنا کر مرتعش حرکت کو ان کی

بجا لائی زباں پر، تو یہ اصوات سنائی دیں ہمیں ـــ "او تو مخاطب

مری آواز کا جس سے ہے اب، جو ابھی لمبارڈی کا روزمرہ

یہ بولا: "جا لے تجھ سے کون لینا" اگرچہ اتفاقاً ہو گئی ہے

مجھے تاخیر آنے میں، مگر خیر، یہاں چندے توقف پر نہ ہو ضیق،

رہے قدرے اگر اب ہمکلامی، نہیں ہیں ضیق، لو، گو جل رہا ہوں

ہبوط اس عالمِ تیرہ میں تیرا ہوا ہے بوم خوش لطیوم سے گر

جہاں سے جرم کا کھاتہ سنگھیڑا یہ میں نے، اس قدر بتلا کہ آیا

ہیں رومگنا میں جو آباد باہم ستیزہ کار ہیں یا آشتی مند۔

مرا تھا کوہساروں سے تعلق میانِ اربینو مرتفع وال

جہاں سے ٹائبر سیل فراواں کیا کرتا ہے بے زنجیر اپنا۔"

سنا جھک کر بگوش ہوش میں نے، ٹہوکا دے کے

تب پہلو میں مرے

وہ قائد: "بول تو لاطین ہے یہ۔" مرا پاسخ بھی تھا تیار، میں بھی

بلا تاخیر یوں گویا: "اری روح، ہوئی ہے جو یہاں اسفل میں،
روپوش

پریس نے جابر فلارس کے حکم سے تیار کیا۔

LATIUM

مانٹے فلٹرو

نہیں رو لگنا تیرا تھا کبھی بھی ان اپنے کبر پرور جابروں کے
تسلط میں لڑائی کے بغیر اور نہ اب ہی ہے نہیں چھوڑی
تھی لیکن
وہاں میں نے کوئی ایسی کھلی لام ۔ روینہ نے روا رکھا ہے اپنا
کئی اک سال کا بند ھیج مضبوط ۔ پلنٹا کا عقاب اسپر اگوڑے
اور اپنے چینیہ کے گمبیر من میں سموتے ہے سراسر سرویہ کو،
گرفت ان سبز چنگالوں کی اب تو ہوئی اس ملک پر جو مدتوں سے
کھڑا تھا تا ہنوز اک آڑ بن کر ۔ فرانسیسی سپہ کے خونیں اہرام بنے
ایسے لگے کشتوں کے پشتے
ورچیو کے جوان و پیر ملعون بھیرا بربیت سے جنہوں نے
مینا تگنا کا شیرازہ، بدستور، جہاں بھی چاہتے ہیں، کھاگ اپنے
بنا لیتے ہیں یرما ۔ شہر لاموں اور ایسن ترنو چیت گستر دہ
دونوں ہیں برفی باند کے ضنیم کے نیچے ۔
حلیف ہے وفا جو ساتھ بدلے ہمیشہ، جیسے تابستان ہو یا
زمستاں سگے اشد پالے سے مغلوب ۔ ادھر وہ سادیلو کی رود
جس کے
چلے پہلو کو دے کر غسل، جیسی کرارہ اور ہموارہ میں لوٹے
اسی صورت گزر اوقات اسکی میان قہرمان وحریّت ہے ۔
تبادیپ تو ہمیں تجھ سے ہے میری گذارش کون ہے تو اور سونا
نہیں بڑھ کر تنگ اب دوسروں سے ۔ جہاں میں تا کہ
تیرا نام نامی

معاہدہ ۔/ دھیان رکھے
چینیہ : کلغی، من دراصل کنوئیں
کا گھیر
عقاب : گیڈو نوبلوڈ پلنٹا
ملک : علاقہ فورلی
مراد : ملانستا اور اسکی اولاد ۔
مناتگنا : ایک بہادر زمنی
میں گبیلان جماعت کا سردار ۔
ماند : (ٹھیٹھ) بھٹ، کچھار
ضنیم مراد : مچی نردو پگاٹو
لاموں دریا کا شہر ۔ فائنزا
ایسن ترنو کا شہر ۔ امولا
سادیلو .... شہر سینا

رہے تحریر سیاہ ئے بریں پر"

ہوتی کچھ دیر کھد بڑآگ میں، تب ہلی ہر سمت نوکِ تیز اسکی

نفس زن اس طرح وہ آخرِ کار: ذرا بھی گر مجھے ہوتا گماں یہ

جواب اس کو ملے میرا کبھی جو پلٹ کر سوئے دنیا جائے گا پھر

تو بے جنباں، قرار اس لو کو رہتا۔ مگر چونکہ یہ امکانی نہیں امر

اگر میں راست تبلایا گیا ہوں کسی نے راہ اپنی پائی ہو پھر

بریں اس تھاہ سے، میں دے رہا ہوں تجھے پاسخ، اور اندیشہ

نہیں ہے

کہ دستاویزِ رسوائی ہو یہ بات۔

سینٹ فرانسس

نخستیں اک سپہ گر، زیبِ تن پھر کیا پٹکہ فرانسس نیکدل کا،

تھی یہ امید کفارہ بنے گا۔ نہ رہتی خام بیشک میری امید

بونی فیس ہشتم

نہ گروہ، لعنتیں نازل ہوں جس پر، وہ بارا اسقفِ اعلیٰ، اسی نے

مجھے ترغیبِ تقصیر و خطا دی۔ یہ کیسے اور کیوں کر، سن کہوں جو

تھی مغز و استخواں میں جان میری محرک جب تلک، مادر نے مجھ کو

کچھ ایسی تربیت دی تھی کہ میرے کئے میں شیر کے انداز سے

ہوں

کسی روباہ سے بڑھ کر زیادہ۔ مجھے آتا تھا کاروبار سالوس۔

یہ سب چترائی کا دھندا کچھ ایسے صفائی چھل سے میں کرتا

کہ اس کا

زمانے بھر میں آوازہ ہوا تھا۔ مگر جب جلد ہی میں زندگی کی

وہاں منزل پہ آ پہنچا، کہ زیبا یہی ہو بادبان اپنے اتارے

سمیٹے ڈوریاں ہر ایک ساری، جو استلذاذ کا باعث تھا پہلے
طبیعت اوبھنے اس سے لگی اب ۔ لگن توبہ و استغفار کی تھی
بجا یہ دھن کہ تھا بدکار فاسق ۔ دریں اثنا نیا فارلیسی سردار — وہی بونی فیس ہشتم
ستیزہ کار نزدِ میتراں تھا ۔ سراسیمنوں جھودوں سے نہیں (تھے — مراد اہلِ عرب
عدو اس کے نصاریٰ ہی سراسر ۔ نہ عکہ کے مقابل رزم آرا،
نہ اقلیم صلاح الدین پہ تاخت)، نہیں تھے ذات میں اس
کی مکرّم
مقدس منصب، اعلیٰ ذمہ داری، ۔ نہ مجھ ہی میں وہ رشتہ،
جس کا خاصہ
کرے یہ منکسر حلقہ ہو جس کا، تمنا کی تھی قسطنطین نے جو
سراقط میں سلسٹر کی مدد سے شفا پائے جذام اس کا ۔ — SIRACTE/ SYLIESTER
مجھے بھی یہی اس شخص نے چاہی تمنا، طلب کی مشورت اس
مدعا سے
ترنگ ایسی تھی اسکی گفتگو میں، ہوا تھا ایک دم یہ مژدہ فرما:
”نکال اندیشہ اپنے جی سے، میں نے کیا تجھ کو گناہوں
سے منزّہ.
کہ سرزد آج تک تجھ سے ہوئے ہیں ۔ مجھے اس کے عوض
میں ہدیہ دے
مری ہو اس نمط مقصد برآری بہ پس تر تو نہیں فتنہ مچاتے
زمیں میں اب مزید ۔ آگاہ ہے تو مجھے جنت کا یارائے
در وبست ۔

کنسٹانٹین پنجم

لہذا چابیاں ہیں دو، بہ خست سنبھالیں تھیں جو میرے پیش رونے۔
دلائل جس قدر وزنی بھی وہ تھے، مجھے مہمل لگا مرعوب ہوں اور

خموشی کو کروں اپنا وطیرہ — لہذا میں جوابا: "مقتدر تو
کرے گا پاک دھو کر اس گنہ سے ملوث پس ازیں ہیں جس میں ہم گا۔

بڑا دعویٰ، عمل بیرانی کوتاہ، مگر اس منصبِ اعلیٰ میں تجھ کو
یہ سرافراز رکھے گا، یقیں کر" — شمارِ اہلِ اجل میں جب ہوا میں،
یہاں تشریف لایا تھا فرانسس، ولی وہ نیکدل بہرِ ملاقات
ہوا تھا اک سیہ ہاتف مزاحم: "نہ اس سے ناروا کر وہ ہے میرا،
گروہِ نابکاراں میں سے ہے شامل، اسے اسفل میں رہنا ہے بپاداش

فریبانہ دیئے تھے مشورے جو۔" ہوا دائم مجھے محسوس مابعد
اسی کے سر پہ وہ منڈلا رہا ہے کیسی توبہ، کی مغفرت پر
شفاعت کوئی بھی قادر نہیں ہے۔ پشیمانی سے بھی حاصل نہیں ہیچ

یہ منشا ایک دم تشکیل ایسا، تناقض سے مکمل منع ہو گا۔
اف ایذا کیا جھنجھوڑا خود کو میں نے مجھے جب وہ پکڑ کر یہ پکارا،
"مگر تو منطقِ کلی کی رو سے مجھے گردانیو مت جنجتی بھی"

یعنی ہاتف

مجھے وہ لے گیا میناس کے پاس تری میں — اور اس قاضی نے مجھ کو

اور آٹھ بار اپنی گٹھیلی کمر پہ چکچا کر تاؤ میں سخت
اسے وہ کاٹ کر بنکار اٹھا "یہ مجرم روح اگنی میں بھسم ہو۔
تبھی سے پھر رہا ہوں مارا مارا اسی بہروپ میں صید زبوں میں
غم و اندوہ و درد جاں گسل کا۔"

ہوا ختم کلام اس کا تو شعلہ ہوا رخصت بڑا ——

حسرت زدہ، وہ

بہر سو بے بسی سے اینٹھتا تھا ٹیکیلا سینگ اپنا — بڑھ گئے ہم
مرا استاد، اور میں، ٹیکری سنگ، جہاں سے تھی معلق دوسری ڈاٹ
بروں نکلی ہوئی خندق پہ، جس میں جزا و اجر ان کو مل رہا تھا
گناہ کردہ سے جو تھے گراں بار۔

کینٹو (۲۸)

زیریں طاس —— آٹھواں طبق —— طاق نہم

تلخیص: طاق نہم میں پہنچے تو ان کا سامنا افترا پرداز، تفرقہ انداز، مرتکب الحاد افراد سے ہوتا ہے۔ بریدہ و مثلہ شدہ اعضا جن کے کٹ پھٹ کر رہ گئے ہیں — یہ ہیں پیرو، ڈمڈی سینا کیوریو موسکا، برٹرانڈ ڈبورن — وغیرہ

کرے گا بے دریغ الفاظ میں کون مفصل خون اور زخموں کا اظہار

مجھے جواب نظر آئے، کہانی اگرچہ بارہا دہرائے بھی وہ،

نہیں یارا زباں کو سہارا کوئی۔ بسیط اس درجہ ہے موضوع، ہر دو

یہ ذکر و فکر قاصر ایک سے ہوں گے۔ تھے گر اک طائفہ میں ایستادہ

تمام افراد وہ یکجا جنہوں نے اپلیا کی سہل مٹی پہ اپنا

بہایا تھا لہو، جن کو کیا تھا ہلاک اہلِ ٹرائے نے، لڑائی

وہ لمبی، جس میں تخمینی غنیمت ہوئی چھلوں کی اونچے ڈھیر میں جمع

کہ راقم ہے مورخ روم کا، جو یقیناً مستند ہے۔ ساتھ ان کے وہ

چکھا تھا نار من آہن کا جس نے مزہ گسکچہ کی کاری ضربتوں سے۔

دگر وہ بھی سپر نو میں ابھی تک ملا کرتی ہیں جن کی ہڈیاں عام،

جہاں نامِ اپلیا پر لگا ہے دغا بازی کا بٹہ۔ یا جہاں او تکلکو

تیری دیواروں سے آگے

نہتہ پیر الرڈو غالب آیا۔ اور اس کے عضو ظاہر دوختہ ایک

تو صاف اڑ کر پرے ویجڑ گیا تھا۔

مگر اس نوع کا منظر بھی سب ہیچ نہم کھڈ کے زبوں عالم کے آگے

بغل یا پیچ کی حقیقت بھی نکلے تو کھل جائے نہیں کھلتے میں ایسا

نظارا، سامنے جیسے تھا کوئی۔

گلے میں چھید نتھنے چیر گئے تھے بھووں کے

عین نیچے تک، کٹ تھا

اک اس کا کان، ساتھ اوروں کے حیراں تکے جاتا تھا وہ،

پھر سب سے آگے

ہنی بال کی جنگ اٹلی میں

رابرٹ گسکر جس نے نیپلز فتح کیا متوفی ۱۱۱۰ء

من فریدی کا لشکر کہ اپلیا کے سپاہیوں کی غداری کے سبب چارلس آف انجو نے اُن کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ ۱۲۶۵ء

کلکٹ۔ (پہاڑی) مخروطی ٹیارہ

نکل کر اس نے اپنے نرخرہ کو کیا ننگا کہ آغشتہ ہوا تھا۔
بروں وہ قرمزی دھبّوں سے سارا۔ وہ بولا "اوئے تو جس
پر خطا کی
ابھی تک سرزنش ایسی نہیں ہے' اور اس سے پیشتر بھی
(کمر نہ کھاؤں
میں اتنی ہو بہو صورت سے دھوکا) تجھے فوقِ ارضِ لاطینی
پہ دیکھا'
ذرا تو ڈال لے اپنے ذہن پر زور جو یاد آئے ہلکی سینا کا پیرو۔
جو دیکھے لوٹ کر بارِ دگر تو وہ خطہ خوش نشیبی ورسلی سے چلا
جاتا ہے جو مراکبو تک'
تو ان دونوں کو یہ آگاہ کرنا — بجا کرتا ہے جن پر ناز فانو
کہ ہیں عالی منش فرزند اس کے' گوئیڈو اور انجیلیو — ہمیں گر
یہاں قدرت ہے مستقبل کو پڑھ لیں بجا تو' زندگی خانے سے ان کو
کیا جائے گا بے دخل اور غرقاب کتالیکہ کی لہروں میں وہ ہونگے'
کسی مردود ظالم کے دغل سے' جزیرہ قبرص و ملبر کے مابین'
کبھی نیپچون (ساگر دیوتا) نے ستم ایسا زبوں دیکھا نہ ہوگا۔
(ARGIVE) وہ قزاقانِ بحری نے کیا ہو کہ ارگی پاستانی مانجھیوں نے'
وہی غدار یک چشم (اسکی اقلیم تمنا جس کے بارے میں ہے اے کاش
نہ اسکی آنکھ اب تک دیکھ سکتی) کرے گا مشورت کے واسطے وہ
انہیں خود مدعو' اور مدعا پھر کچھ اس ترکیب سے حاصل کرے گا'
کہ بیچاروں کو مہلت بھی نہ ہوگی کہ فوکارہ کی آندھی کی وہ منّت

ایک پہاڑ جہاں سے تند ہوائیں آتی ہیں۔

کوئی مانیں، دعا میں گڑگڑائیں۔" جواباً اس طرح میں "حسبِ منشا
بیانگ اب کہہ کہ میں لے جاؤں بالاترا پنیام — ہے وہ
کون جس کو

یہ یادِ تلخ اس منظر سے آئی"۔
جھٹ اس نے گال کی ہڈی پہ اک کی رکھا ہاتھ اپنا۔
اسکی ہمرہی روح

پھر اس کا کھول کر جبڑا پکارا — "ارے یہ ہے جسے میں جانتا ہوں
وہ خود اپنے لئے کہتا نہیں کچھ، یہ پرپا جس نے ذہنِ قیصری میں — اچھوت
لبالب وسوسہ یہ بھر دیا تھا موثق طور سے: "ہو آدمی کیس
زیاں ہوتا ہے پھر ریت و لعل سے"۔ مجھے کیسا لگا دہشت زدہ اُف
کیوں بو، حلق سے جس کی زباں تھی بریدہ، کی تھی جس نے یہ
گراں بات۔
تب اک ہرہاتھ سے ٹنڈا، اٹھائے بڑی زحمت سے ٹھونٹھیں
خوں چکیدہ
لہو کے داغ سے جو اس کا چہرہ لیتھڑے جا رہی تھیں، چیخ اٹھا
"تجھے کچھ موسکا تو یاد ہوگا، وہی جس نے کیا اعلان، افسوس
وعمل سرزد ہوا تو ختم قصہ"۔ کہ نسل شکنی کو تخم اندوہ
مرورِ وقت سے ثابت ہوا تھا۔" کیا میں نے اضافہ: "ہاں
جو تیرے

کنبے پہ کیسی موت لایا"۔ — خاندان، نسل
وہاں سے غم پہ اک طومار غم کا اٹھائے یوں فقرو،

جس طرح ہو

کوئی سودائی فرطِ غم کا مارا۔ کیا میں نے مگر چندے توقف
کہ میں اس خیل کو دیکھوں، مگر تب مجھے جو کچھ نظر آیا، اسے میں
تذبذب میں ہوں، اب بتلاؤں کیسے، بدیہی گر نہ ہو اس پر
ثبوت اور۔

ضمیر اس کا مجھے کرتا ہے پختہ، وہی یارِ وفا دار اپنا مضبوط
چہار آئینہ جو کستا ہے اس پر نہیں باطن میں جس کے کچھ خلش ہو،
اسے دیتا بھی ہے آشیرباد اور بنا دیتا ہے بالکل بے دھڑک بھی
نہیں ہے شائبہ شک میں نے دیکھا دھڑ اک بے سر چلا
جاتا تھا آگے

یعنی سر کو

فسردہ خیل کی مانند، اپنے بریدہ عضو کو بالوں سے پکڑے
معلق ہاتھ میں قندیل صورت۔ ہمیں وہ دیکھ کر بولا: "مرا غم"،
کیا یوں روح نے خود کو سبکبار، وہاں دو ایک میں تھے
ایک دو میں،
یہ ممکن کس طرح تھا علم اس کا اسی کو ہے یہ جس کے حکم سے تھا،
کھڑا تھا پایۂ پل پر وہ سیدھا، اٹھائی اس نے اپنی
بانہہ اوپر،
سراسر سامنے سر کو دھکیلا، ہمیں نزدیک سے ہم بات اس کی
کیا اظہار جس کا اس طرح سے: "نفس زن، تو وہ میں مُردوں
کی جو ہے،
اذیت ناک یہ تکلیف اب دیکھ، نظر ڈال اس سے بڑھ کر یہ کہیں ہو

بھیانک گر — مرا احوال لے جا، زمیں پر تو مجھے معلوم ہو، میں
وہی ہوں بورن کا بتراند، جس نے مرت الٹی دی تھی جان
اقلیم راں کا،
بہم باپ اور بیٹے کو بھڑایا، کہ داؤد اور ابسالوم کو ایسے
(AHITOPHEL) نہ بھڑکایا تھا مرنے مارنے پر اہی توفل نے بھی فتنہ گری سے،
گندھے تھے جو قریبی بندھنوں میں، انہیں پھاڑا تو خمیازہ میں
اب یاں
پھٹا ہے مغز میرا، اصل سے میں لئے پھرتا ہوں، صد
افسوس جو بھی
مرے اس دھڑ کے اندر جاگزیں ہے — مرے اندر یہ
آئینِ مکافات
ورتستانہ عمل پیرا بایں طور۔"

کینٹو (۲۹)

زیریں طاس — آٹھواں طبق — طاق اطاق دہم

تلخیص : ورجل کے ایما پر دانتے اس پل کی طرف بڑھتا ہے
جو طاقِ دہم عبور کرتا ہے۔ یہاں اسے مہوسوں اور قلب سازوں
کی چیخ پکار سنائی دیتی ہے، جو وہاں مغضوب ہیں۔ تیرگی کے سبب

اسے خاص سجھائی نہیں دیتا۔ وہ ڈھوک سے نیچے اترے جو آٹھویں
طبق کے آخری طاق اطاق کی حد بندی بناتی ہے۔ وہاں یہ روحیں
متعدد و متعدی عوارض و امراض میں مبتلا ہیں ۔ دو ایزو کا گرفولینو
اور سینی کا کیپا چیو بولتے ہوئے سامنے آتے ہیں۔

مری آنکھوں کی کیفیت تھی ایسی نظارے سے کثیر انبوہ
کے، جو
کئی زخموں سے چور ایسا تھا مکروہ، کہ جی چاہے تھا، ٹھہریں اور
رودیں ۔
مگر ورجل مجھے دے کر ٹھوکا: "یہ ایسی ٹکٹکی کس پر لگی ہے؟
الجھ کر رہ گئی ان پر نظر کیوں جو اسفل واں ہیں ژولیدہ و مجروح،
علاوہ یاں، کسی مقعر میں تجھ سے نہیں رقت ہوئی ایسی ہویدا!
اگر گنتی کے جھنجھٹ میں پڑا تو تو اس وادی کا یہ پیچاک احاطہ
سمجھ لے بیس اور دو میل میں ہے، ڈھلا ہے چاند اوسر پیروں
کے زیریں؛
ہے مہلت مختصر، خاصا پڑا ہے وہ ان دیکھا ہمیں جو دیکھنا ہے۔"
مرا سیدھا جواب اس کو: "اگر تو تجسس کو ذرا بھی جانچ لیتا
یقیناً درگزر کرتا — وہاں پر توقف کو مرے چندے زیادہ۔"
مرا رہبر روانہ راہ پر تھا جلو میں میں چلا جاتا تھا گویا، جواباً مستزاد
اس سے کہا یہ:
مرا انکار اس قدر جو منہمک تھا مری دانست میں اس بھٹ کے اندر

ہے میرے کفو کی اک روح آباد'' اسے جس جرم پر تعزیر ہے سخت
شدید اس پر وہ مصروفِ بکا ہے'' مرا استاد بولا: ''اسکی خاطر
نہ کر ہلکان ناحق جان اپنی، لگا دھیان اور جانب بھول اسکو،
کہ میں نے پایۂ پل پر یہ پایا دیا تھا گھور کر اس نے تجھے رُخ،
سنا تھا، نام اس کا لے رہے تھے جری از بیلو، تو اسوقت لیکن
مگن ایسا کچھ اس کی روح میں تھا، کبھی زیرِ نگیں جس کے رہے تھے
بروجِ ہارٹ فورٹ — اس سمت تو نے توجہ ہی نہ کی، اور
چل دیا وہ۔''

(شاعر کا ایک عزیز جو مارا گیا تھا۔)

تو میں: ''اے پیارے قائد موت کے گھاٹ تشدد سے اتارا تھا
اسے، اور
کسی نے بھی تو ان میں سے ابھی تک نہیں بدلہ لیا اس کا،
رہے جو
شریک اسکی نگونساری میں، پس وہ حقارت سے ہر اک کو
دیکھتا ہے،
لہٰذا مجھ سے بھی چپ چاپ گذرا اور اپنی ایسی کیفیت پر، ایسے
روّیہ سے کیا مجھ کو خفیف اور۔''
ادھر کو بات چیت ایسے ہی کرتے، پہاڑی سے جہاں
پہلے پدیدار
ہوئی تھی دوسری وادی کہ نیچے چلی جاتی تھی اتری تھا وہاں تک سہل
مگر ہم آئے میلی بلج کی گھپ حدوں کے آخری تکیہ میں جو ناہی
ہوئے نظروں پہ بھائی بند ظاہر، تو مجھ پر شیونِ اندوہگیں کے

کئی پیکان ہلہ کرکے آئے، سروں پر دردانگیزی کی انیاں
بھر آیا جی، اور اپنے کان دونوں کئے ہاتھوں سے اس بوچھاڑ
پر بند۔

اذیت کا وہی عالم — کہ ہراک خدامی خانہ ولدی چینیا کا
سمے میں اس کے جولائی سے تا ستمبر سارڈینہ کا جزیرہ
مریا کی بھی فاسد پانک کے ساتھ، کسی کھائی میں سب آزار اپنے
اکٹھے ڈھیر کردیں — تھی یہاں پر وہ جانسوزی، تعفن اس بلا کا
کہ رادھی انگ بھپکے چھوڑتے ہوں۔ ہم اس لمبی پہاڑی کے اخیری
کنارے پر سے بائیں سمت اترے، نظر میری بڑی طرار تھی اب
لگانے کے لئے اس تھاہ کی کھوج، تعالی اللہ کا جس میں
اتا بک
ہمہ تنقیح عدل، ان ملب سازوں کو دے تعزیر کا فتویٰ نمایاں، جو
عبرتناک دفتر میں ہے اس کے۔
قیاس اپنا تو یہ ہے باعثِ یاس نہ ہوگا اس قدر منظر،
جب آئی
جھپٹ میں قوم ایجینہ کی ایسی کہ ہر ذی روح جرثومہ کی حد تک
ہوئے سب خوار — تھی لبریز ایسی ہوا کینہ سے (اور مابعد جیسے
روایت بھاٹ کرتے ہیں پر اجین طفیل تخم موراں بارِ دیگر
ہوا اس ملت کہنہ کا احیا) یہاں جیسی نظر آتی تھیں روحیں
کہ کیڑوں کے کئی کنڈے لگے ہوں — پراگندہ وابتر وہ پڑے تھے
کوئی تو پیٹ کے بھار اور کوئی تھی کاندھے پر کسی دیگر کے اسوار،

دریائے چینیا کی وادی، خزاں کی گرمی میں اس کا ٹھہرا ہوا پانی سخت بدبو دیتا تھا۔

پیپ بھرے بدن

جھوٹے سکے دھاتیں گھڑنے والے

یونان کا ایک جزیرہ

اووڈ (OVID) کی روایت میں مرمیڈان کی تلمیح
MYRMIDONE

چپٹے، ڈھیر

کوئی کروٹ کے بل گندی ڈھیر پہ گھسٹتی جا رہی تھی — خامشی سے
چلے جاتے تھے ڈگ ایک ایک بھرتے، ہر اک سو دیکھتے، سنتے
ہوئے ہم

تمام ان روگیوں کی رائیگاں جو تھے بپتا میں، وجود اپنا سمیٹیں.
مجھے آئے نظر تب دو، نشستہ لگائے ٹیک یوں اک دوسرے کی
کہ پیوستہ ہوں کٹڑ چھے دھات کے دو حرارت کو بجا رکھنے
کی خاطر.

تھے سر سے پیر تک چنبل کے کھائے، کبھی کا ہے کو یوں
سائیس کوئی

کھریرا اس قدر پھرتی سے کرتا، بہت ہی ناؤلا سردار جلدی
اتائے جب کھڑا، کُنتا کے — یا پھر وہ رکھوالی کی سر دردی — اکتا کے، کنیا کے
سے خود ہی،

نکیلے تیز ناخنوں سے جیسے کھجاتا تھا ہر اک — وہ جھنجھلاہٹ
جلن کی جو نہیں پڑتی تھی مدھم — دروں یوں پوست کی
پرتیں اُدھڑتیں،

کوئی شہتیر کو رندے سے چھیلے کہ چپٹی نلس کی مچھلی کو نوچے.
مرے رہبر کا استفسار اک سے: "ارے اپنی قبائے
پوست جو تو

ادھیڑے ڈالتا ہے انگلیوں سے کتے اک موچنی ذرا نہ ان کو
مجھے بتلا کہ ملک لاطین کا کوئی مولودان کے درمیاں ہے — لاطی این LATIAN
بکار آئیں ترے ناخن تجھ کو مشقت میں مدام." اسنے بگریہ

LATIUM

دیا پاسخ:" وہ ہر دو لاطی ہیں۔ اس آفت میں جنہیں تو دیکھتا ہے
مگر تو کون ہے دریافت ہم سے جو سب یہ کر رہا ہے"؟
اس پہ رہبر
"وہی ہوں ایک جو اس آدمی کو لئے اترا ہے جیتا ہے
ابھی جو،
پہاڑی سے پہاڑی تک دکھاتا جہنم کا اسے پاتال سارا"۔
تو وہ حیرت زدہ ہو کر الگ سے مڑا ہر اک ہماری سمت لرزاں
وگر کے ساتھ، جن کے کان میں بھی بھنک آتی ہماری گفتگو کی۔
مخاطب تب مرا استاد مجھ سے:" کر ان سے گفتگو جو آتے
جی میں"
اور اک دم ابتدا کی میں نے:" حاشا! کھرچ ڈالے یہ تیرے
ذہن سے وقت
جہانِ فوق کے لوگوں کی یادیں، ڈھلیں ابھریں کئی سورج، مگر یہ
رہیں باقی بدستور۔ اے اگر تو مجھے اتنا بتائے کون ہے تو،
تعلق کس قبیلے سے ترا ہے، سزا تیری اذیت ناک و بدتر
یہ اپنی نوع میں، کرے نہ ممنوع کہ مجھ پہ اس قدر اظہار کر دے"۔
وہ بولا:" میرا مسکن تھا اریزو مجھے سینی کے البیرو نے زندہ
جلا کر مار ڈالا تھا۔
مگر میں مرا تھا جس طریقہ سے نہیں یاں مجھے لایا ہے وہ،
ہے واقعہ یہ
مزاحاً کہہ دیا تھا میں نے اسکو پرِ پرواز سے قدرت مجھے ہے

ہوا پر، اور اس نے، عقل کا وہ نرا اندھا، مجھے شاباش دیکر
کیا اصرار اس پر فاش کر دوں، یہ رازِ حکمت اور قاصر ہوا میں
کہ دایودلس میں اس کو بدلتا، تو اس پاداش میں موذی نے آخر
کسی کو ورغلایا تاکہ اس کے پدر کو دے یہ مت مجھ کو جلا دے.
مگر مینا س کے اس قعر میں، جو ہے دس میں آخری، جھونکا
مجھے یوں
مہوس میں زمانے میں رہا تھا کسی اژدر سے وہ غچا نہ کھائے".
مخاطب تب مغنی سے ہوا میں: "کہیں ایسے بھی
سادہ لوح ہوں گے
یہ جیسے اہلِ سینی ہیں، کہ بے شک بڑائی خور، نامسموع زمرہ
نہ کر پائے فرانس ایسا کبھی پیش".
سنے الفاظ میرے دوسری جو تھی کوڑھی روح، جواب
یہ جوابا:
"بری سٹرکا پر اس الزام سے ہے کہ تھا آگاہ قسمت کی روش کو
اڑائے مسرفانہ، اور نکولو قرنفل کا گراں چٹخارہ جس نے
کیا دریافت، پہلے اس چمن میں جہاں مٹی میں لے جاتا ہے گہرا
جڑوں کو بیج، ہمچو ہو بری وہ سبھی ٹولہ لٹائے جن میں لپنے
گھنے بن اور تاکستان فیاض اسی یاتو کے کاکشیہ نے، اور وہ
ابا گلیا تو — اپنی طرفہ بخش تماشہ جس نے سب کے واسطے کی.
تجھے معلوم ہو تائید تیری خلافِ اہل سینی کی ہے کس نے
رضا کارانہ لیے، تو عقابی نظر اپنی ذرا موڑ اس طرف کو

اکارس کا باپ DAEDALUS
اس نے مینا س کیلئے بھول بھلیاں بنائی اور اپنے بیٹے کے لئے پر، جن پر وہ اڑنے لگا.

خوش باش نوجوانوں کا حلقہ سٹرکا، مانکولا، کاکشیہ، ابگ لیاٹو وغیرہ جنہیں نئی نئی سوجھتی تھی: نکولو نے لونگوں سے ایک خاص کھانا تیار کیا، کسی نے گھوڑوں کے نقرئی سم چڑھائے ان اللے تللوں کے باعث بڑی ناداری اور مفلسی کے انجام کو پہنچے.

مراد سینی SIENNA

کہ مہلوبات کو تیری مہیا کرے چہرہ مراشانی جواب اک،
مجھے بکیپوچیو کی روح پائے، بزدرِ کیمیا مقلوب دھاتیں
گھڑا کرتا تھا جو اور میں تجھے گر بجا پہچانتا ہوں، تو تجھی کو یاد
کہ کیسا موجدہ فطرت کا نقال میں اپنی صنعتِ پُرکار میں تھا۔"

یہ دانتے کا ہم جماعت تھا۔

کینٹو (۳۰)

زیریں طاس — آٹھواں طبق — ایضاً

تلخیص: وہی کھاڑی ہے مگر ملبّس وجعلساز دوسرے یہ اور لوگوں کا روپ دھارتے، رائج الوقت سکے جعلی گھڑتے اور لچھے دار باتیں بنا کر بندوں کو شیشہ میں اتارتے تھے یہ بھی کتنی روگ بھوگ رہے ہیں۔ سینون زٹرلئے اور اوموز ریسکہ اپنی عیارانہ چال بازیوں پہ باہم تکرار کرتے ہیں۔

کبھی جب سینۂ جونو میں برپا ہوئی آزردگی بہرِ سیملی
خلافِ خونِ تھیبی

باعثِ غم، بوقتِ نامساعد انتہائی
پڑا ہذیان کا ایسا ہی دورہ اطامس پہ جب اپنی اہلیہ کو
لیئے ہر ڈھنکنے پہ بال دیکھائے وہ چیخا زور سے: "پھیلاؤ پھندے

رومی صنمیات میں جوپیٹر دیوتا کی زوجہ۔
سیملی: صنمیات: کاڈمس کی دختر، ضد کی کہ زیوس کو اسکی اصل حالت میں دیکھے

کہیں یہ شیرنی اور شیرنی بچے پکڑلوں درب پر ۔ چنگال خونخوار
نکلے اور جھپٹا ایک پر وہ، بچارا اک لیئر جس نام، معصوم
اسے ٹھکور کر مارا پٹخ کے پہاڑی پر، کچومر ہی نکالا۔
اٹھاگی ماں اٹھائے بوجھ دُوجا ہوتی غرقاب کر کے ہاراکاری۔
ملا جب حاوی کُلّی لڑائے کا سارا طنطنہ مٹی کے اندر
کیا قسمت نے ہر شئے کا صفایا، شبہ پیرانہ سال، اقلیم کے ساتھ
ہوا تھا راہیٔ ملک عدم ۔ تب ہکوبہ اک اسیر زار و تنہا
پلکسینہ کو پہلے ذبح ہوتے جب اس نے دیکھا، اور پھر
لاڈلے کو
وہ پولی ڈورس اس کا، اور ازاں بعد کنارِ بحر ویراں پر نظارہ
دکھا ماتم گساروں کو، تو باؤف حواس اسکے ہوئے اور بھونکتی وہ
دواں پھرتی تھی جیسے کوئی کتیا، غم زور آور ایسا جاں
گسل تھا۔
نہ سفاکانہ بے دردی سے ایسی لڑائے کی مگر یا تھیبز
کی بھی
چڑیلوں نے کئے پیوست اپنے کچک اعضا میں حیوان و بشر کے
ہمیں دو زرد رو بے ستر آسیب نظر آئے دو دیدہ، کچکچاتے
بھیانہ سُوَر باڑے سے جیسے بروں ہانکا گیا ہو ۔ ایک پہنچا
ٹیچیو کے قریں اور کھاگ اپنے گڑوئے جوڑ پر گردن کی
گھرے
اسے یوں پختہ پیڑدی پر گھسیٹا کہ اسکی تو ندپٹ پھیلی رگڑ سے

اطاس: یونانی صنمیات
اسے اور اسکی بیوی اینوکو
(جو سیملی کی بہن تھی) HERA
نے جذبۂ رقابت سے ترا فاترالعقل
کردیا جس کے نتیجے میں یہ
ہولناک واقعہ ہوا۔

درب: درہ

ہاراکاری: خودکشی

یونانی ہکابہ: پریم کی بیوی
اور پارس کی ماں،
یعنی ہکوبہ کا

نکیلے دانت

ہیوالی اس اریزو کا دگر وہ رہا تھا تھرتھراتا وں یہ بولا :
گھمنڈی چکچی ہے بھوتنا وہ، شرارت میں طبیعت بے دھڑک
ہے،
کپٹ اپنی جتاتا ہے بدستور۔"

جسے میرا جواب : "اخاہ تجھ کو اگر وشواس ہے اس دوسرے کے
نہیں ہیں دانت تیرے لوتھڑے پر، تسلی سے ہمیں یہ
آگہی دے

یہاں سے کون ابھی چمپت ہوا ہے؟" جوابا وہ: "یہ روح
وقت خوردہ
مراہ بدقوارہ کی ہے، جس میں ہوس کا شعلۂ ناپاک بھڑکا
تو لیتے باپ سے، بہروپ بھر کر ہوئی اس فعل بد کی مرتکب وہ۔
بس اس دیگر کی صورت، جو رواں ہے ذرا آگے۔
ڈھٹائی سے بنائے
خدوخالِ دوناتی، مہر جعلی وثیقہ پر فریبانہ کرے ثبت
ہتھیائے وہ راتی را اس کی خود۔"

ہوئے غائب جو دونوں تند سائے لگی تھی جن پہ
میری آنکھ کی تک
تو لوٹائی یہ میں نے تا کہ دیکھوں دگر معتوب روحیں۔ ایک
مجھ کو
لگی تھی ساخت میں بربط، مگر کچھ الگ جانگھ اس کی التہ ملے یہ
جہاں پہ منفرج حصہ سے جا کر

یہ شخص اپنے خدوخال دوسرے
پر یوں بناتا کہ پہچان نہ
ہو سکتی۔ دوناتی مر گیا تو
سائمن کے ایما پر اس
کا حلیہ بھرا، اور وصیت
میں اسے جائیداد لکھ دی۔
اس کا معاوضہ اسے ایک
عمدہ گھوڑی کی شکل میں
ملا۔

(THE LADY OF THE HERD)
یعنی گھوڑی جو چکچی کو ملی۔

'GROINS'

اماسی وہ جلندرئے بے تناسب ہوئے اعضا غلط منقلبہ نم سے،
نہ کھاتے تو ند کچھ چہرے سے لگا، کھلے تھے بھاڑ سے یوں
ہونٹ، جیسے
کوئی مدقوق کانپے تشنگی سے۔ پڑا تھا اک اگر ٹھڈی پہ سیدھا
تو اوپر دوسرا آڑا چڑھا تھا۔ کیا آغاز اس نے یوں ندا ئے تو
ہے اس کلفت زدہ دنیا میں کیوں کر مبرا درد سے، مجھ کو
نہیں علم
بطور ادمو کی رنجوری پہ کر دھیان، رہا میں جب تلک زندہ،
نہیں تھی
کمی میرے لئے پوری رسد میں طلب از حد مجھے جس چیز کی تھی۔
مگر اب بوند بھر پانی کو ترسوں۔ دریغا، وہ کسن تینو کے سرسبز
نشیبی مرغزاروں میں درخشاں رواں زیریں جھرنے، نرم و تازہ
کناروں کو کریں، جن میں گزر کر یہ جا ملتے ہیں، ارنو کی ندی
میں،
ہمیشہ ہیں مری آنکھوں میں رقصاں، نہیں ہیں رائیگاں منقوش
یہ عکس،
پڑیں اس سے تو کانٹے حلق میں اور، کہیں اس عارضہ سے
بدتریں یہ
لٹک کر جس میں رہ جاتا ہے سب ماس دھنسے پچکے ہوئے
گالوں سے یکسر۔
تجاوز کا جہاں میں مرتکب تھا، دھکیلے سخت گیر انصاف

پریبکہ کا ادمو جعلی سکے بنانے
کی پاداش میں زندہ جلادیا گیا
COSENTINO

واں سے

کرے اس نوع کی وہ کارروائی مری تکلیف دہ آہیں فزوں ہوں

وہاں رومینہ میں ڈھالی تھی میں نے فلز ٹھپہ لگا کر انطباعی۔

وہ جعل اس کے لئے دنیا میں اپنا بدن میں چھوڑ کر آیا برشتہ

یہاں لیکن اگر میں دیکھ پاؤں غم آگیں روح گیڈو، ال سینڈرو

کہ ان کے بھائی کی، بدلوں نہیں پھر براندہ کی جوئے شفاف

سینئی میں ایک چشمہ

سے بھی

یہ خوش آیند منظر۔ ایک تو ہے ابھی محبوس اندر، لولتی ہیں

اگر سچ لول پگلی آتمائیں، یہاں ہر سمت جو منڈلا رہی ہیں۔

مرے، لیکن بنا ئے کیا ہے بات، مرے اعضا ہیں پابند

سلاسل

سبک لیتہ گر اتنا بھی ہوتا سرک سکتا بہر صد سال ایک اپنچ

کبھی کا چل نکلتا اس ڈگر پہ کہ میں بہ قطع اس ٹولے کو

ڈھونڈوں

گیارہ میل یہ ہر چند پیچاں، نہیں کم نصف جو ہے پاٹ اس سے

لئے آئے مجھے اس خیل میں وہ کیا انگیخت پر مسکوک جن کی

ملاوٹ سے فلورن تین قیراط۔

۲۴ قیراط سونے کا فلورسی سکہ پہلے ۱۲۵۲ میں ڈھالا گیا

کیا دریافت تب میں نے کہ ہے کون خراب و خوار

جوڑا جو پڑا ہے

اے گھیرے ہوئے نزدیک دائیں، دھواں یوں دے رہے ہیں

ہاتھ، جیسے

کوئی جاڑے میں یخ ندی کے اندر۔" جواباً وہ: گرا قطران میں جب
نہیں پایا ہے اس درگت سے بالکل نہیں پلٹے کبھی یہ اس گھڑی سے
نہ آئندہ مری رائے میں، جب تک نہ ہولے وقت کا دوران پورا۔

پوٹی فر کی بیوی

وہ مسٹنڈی ہے جو ناحق ہوئی تھی گویاں گیر عبرانی جواں کی
دگر سینون یونانی، غلط کار، ٹرائے شہر کا باشی، یہ سرسام
نم دودی کشیدان سے کرے یوں کہ تنتی ہے گھٹی سی بھاپ اڑ کر۔"
سنا اس نے جو یہ تو کوئی جیسے نے لیپنے لئے کوئی خرافات
تو بھنّائے سے اماسی پیٹ پہ اک جمایا بھینچ کر وہ ہاتھ اس نے
کہ وہ ڈھولک سا بج اٹھا — جواباً جھٹ ادمو نے بھی زنلٹے کا منہ پہ
رسید اس کو کیا مکّہ پلٹ کر اس اپنی بانہہ سے پڑتی تھی جو سخت۔
وہ بولا: "گو سکت حرکت کی میرے گراں اعضا نے یکسر سلب کر لی،
ہے ایسے کام کو اک بانہہ آزاد۔" جواب اس کو ملا: "فی النار جب تو
ہوا، اس وقت یہ شہ پر تری یوں نہیں تھی مستعد، گو مستعد تر

زرِ کاسد کیا کرتا تھا مستحرک۔" تو مستسقی لسے: "چل اے چخے اب

بڑا اترا کے ایسا سحر بگھارے، زباں پر کیوں نہیں آئی تھی سچی شہادت، جب تڑائے میں تھا مسئول حقیقت کے لئے؟"

سینون بولا:

"اگر میں نے کہا تھا جھوٹ، جھوٹے لگائے تو نے بھی سکوں پہ ٹھپے

یہاں یادداشت میں اک جرم کی ہیں، سوا کے تو، نہیں کچھ انت جس کا"

وہ بولا: "او غلط سوگند خورے، لے حانث ذرا وہ اسپ کر یاد جو البتہ اجل کا تھا نقیب، اور زمانہ جرم پر شاہد ہے تیرے۔"

وہ یونانی جوابا: "اور تیری شہادت تشنگی دیتی ہے جس سے زباں پر تیری تبخالے پڑے ہیں۔ ذرا سیال تو ڈرے پر نظر ڈال لگایا ہے تری آنکھوں کے آگے جو تیرے پیٹ نے انبار فاسد۔"

وہ ٹکسالی لسے یوں: "بھاڑ سا منہ ہمیشہ کی طرح تیرا کھلا ہے برائے یاوہ گوئی، اب مجھے گر کیا کرتی بھی ہے یاں پیاس ہلکان

مرے اندر ذخیرہ بھی ہے مرطوب، مگر تو صاف بریان و برشتہ پھٹا جاتا ہے تیرا درد سے سر، نہیں ہے کارگر ترغیب کوئی قرینے سے تو اپنے زانوؤں پہ دھرے نرگس کا (خوردبیں) آبگینہ۔"

نہایت منہمک میں سن رہا تھا کہ رہبر نے مجھے تادیب
کی: "بس

مزید اب اور تو پھر جان لے تو الجھ جاؤں گا تجھ سے" بسکہ محسوس
ہوا، کیسا وہ برافروختہ تھا مخاطب، اسکی جانب مڑ گیا میں،
مگر کچھ شرم سے یوں پانی پانی کہ نادم ہوں جواب بھی یاد آئے،
کوئی سپنے میں جیسے دیکھتا ہو بڑی بپتا پڑی ہے، اور آشا
کرے سپنے میں وہ سپنا ہی نکلے، جو سچ مچ ہو تو یہ آشا
نہ ہو کاش!

یہی حالت مری تھی، اور درکار مجھے گویائی کا یارا تھا۔ خواہاں
کہ اپنی معذرت ہی پیش کر دوں، رہا ہوں یوں ہمیشہ معذرت
خواہ

یہ نادانستہ گو سرزد ہوا ہو۔ مرا استاد بولا: "یہ جو تیری
رہی ہے، اس سے بھی سنگیں خطا کی تلافی عذر کمتر سے ہے ممکن،
لہٰذا روح سے آزردگی دھو۔ اگر پھر اتفاق ایسی جگہ پر
تجھے لے جائے، حجت بازیاں یوں جہاں ہونے لگیں تو
یاد رکھیو

کہ میں بھی پاس ہی تیرے کہیں ہوں، — بس ایسی لن ترانی
سن کے محظوظ

اگر ہوتے ہیں تو شوریدہ سر لوگ۔"

کینٹو (۳۱)

زیریں طاس ○ نواں طبق

تلخیص: شاعر ایک سنکھ کی گونج پہ چلتے ہوئے نویں طبق میں وارد ہوتے ہیں، اس میں چار طارم ہیں، ایک دوسرے کے اندر، اتنے ہی قسم کے غدار و دغاباز ہر ایک میں زندانی۔ لیکن اس کینٹو میں سامنے صرف یہ آتا ہے کہ سارا طبق جنات کے حصار میں ہے، ایک جن انطیاتس انہیں بازوؤں میں دبوچے دامانِ طبق میں چھوڑ آتا ہے۔

بڑی تہدید سے آزردہ مجھ کو ابھی ایسا کیا تھا جس
زباں نے

کہ مرا تمتما اٹھا تھا ہر گال، اسی نے اب کیا اس کا مداوا۔
روایت جس طرح میں نے سنی ہے اٹھی تھی تیس ایکلیز اور
اس کے

پدر کو، بے اماں برچھے سے پہلے، بحال آرام کی نعمت ہوئی پھر
پلٹ کر دشتِ غم پر پیٹھ اپنی ہم آئے تو دہ محصور
کے پار

خموشی سے ـــــ وہاں چھپایا ہوا تھا سماں دن سے بھی کم،
کم رات سے بھی،

نہ آگے تک سجھائی آنکھ کو دے. پڑا کانوں میں اک نرسنگھا لیکن
وہ کیسے زور سے پھونکا گیا تھا کہ شور اس کا مچا، مدھم
پڑا رعد،

اسی کے رخ پہ چل کر راہِ دشوار، ٹکی اب میری چشم مضمحل واں
اسی نقطہ پہ — رَاڑ ایسی بھیانک نہ جب تھی آرلینڈو نے
بھی پھونکی

کہ شرلیماں کا لشکر منہزم تھا بری بھگدڑ کے عالم میں، اور اسکی
فروختی سب مقدس جنگبازی. زیادہ دیر تک بھی سر ادھر کو
نہیں میں نے اٹھایا تھا، سجھائی دیئے دانست میں اپنی
وہاں پر

کلس کتنے ہی سائے آسماں کوس. کہا میں نے: "گرو
نگری ہے کیا یہ؟"
جواب اس کا یہ فوری: "ہے طویل اک خلائے تیرگی حائل کہ
جس میں

سفر کرنا پڑا تیری نظر کو، تیرا تخیل جیسے کھا گیا ہے.
پہنچ کر اس طرف جانے گا تو صاف مسافت جس کو بہکاتی
ہے کتنا.

لے اک تھوڑا سا آگے اور بڑھ جا." بڑی نرمی سے تھاما
ہاتھ میرا،

کہا پھر: "ہو تجھے اوراک تاہم ازاں پیشیں اور ہو کچھ پیش قدمی
تحیر خیز تا دکھلائی دے کم، نہیں ہیں وہ کلس، بلکہ ہیں جنات

اس شخص نے یہ جادو کا
بگل ایک جن سے چھینا
اسکی آواز بیس[2] کوس
تک جاتی تھی.

CHARLEMAGNE

دھنس یہاں ایستادہ یوں شرابور کنارے پر ہر اک تا ناف غرقاب،
چھٹا کرتا ہے جیسے ایک شب دود، بتدریج اور بینائی
پر اپنی

(کہرا)

کھلا کرتا ہے جو کہرے نے مگھم جماؤ سے فضا میں کر دیا ہو،
کنارے کی فضائے تار تیرہ شگاف انداز ہم نزدیک پہنچے
ہوا سارا سراب وسہو کافور، پر اندیشہ نے مجھ کو آن گھیرا۔
ہے جیسے منترِ یجال گرد طرّے فصیلوں پر لگائے برجیوں کے،

سینٹی کے قریب ایک کورٹ

ثری میں چار سو پھیلا ہوا تھا کنارہ یوں وہ انباری جنوں سے
تھی قامت نصف ان کی برنمودہ، بڑی پر ہول جن پر مشتری کی
فلک سے دھونس تھی اب تک، انہیں رعد دھڑا دھڑ جب
گرج کر دندنائے۔

لئے پہلے ہی میں نے بھانپ اک کے رخ وسینہ و
شانہ اور بے انت
شکم کا خاصا حصہ، دونوں باہیں برابر ساتھ اسکی پسلیوں تک،
بہ افراطِ فطرت — دستِ صانع ٹھٹک کر رہ گیا جب
اس نے ڈھالے
یہ راون — اسکی دانائی پہ لاریب دلالت تھا، کئے ملوک ایسے
جنونی جنگ کی قدرت سے باہر، اگر خود پر پشیمانی نہیں بھی
اسے راگھو پہ یا گرگج پہ اپنے، تو سنجیدہ ہو جو بھی فکر فرما

وھیل مچھلی / ہاتھی

کرے تسلیم فطرت کو وہ اس میں فزوں تر دانا و محتاط بسیار،
بہیمی زور اور بد طینتی کے پس پشت آکھڑی ہو زیرکی جب

تو ان کا سامنا لینا عبث ہے۔

تھا اس چہرے کا طول و حجم گویا ولی پطرس کے رومی گرجا
گھر کی اٹاری کا صنوبر، — کانسی کا درخت

دوسری سب اسی نسبت سے اسکی ہڈیاں تھیں۔
یہ جا تو فوق ساحل پہ سے اس کا تلے جو پر تلہ تھا، قامت اسکی
دراز اتنی کہ سعی رائیگاں ہی پہنچنے کی مگر بالوں تک اس کے
فریزی لینڈری بس تین کرتے۔ کھلاواں تک وہ پورے
تیس بسورے — (بالشت)

جہاں بندِ قبا ہو آدمی کی — رخل پائے امت سابی الامی — (مہمل جملہ ہے)
جو ہنکارے لبانِ تند اس کے نہیں وہ بول میٹھے بن سکے تھے۔
اور اس سے یوں مرا رہبر مخاطب: ”اری او گاؤدی مدروح
چل یہ

تجھے نرسنگھہ تیرا تر جماں ہو، نکال اس میں ہی اپنا تاؤ، تجھ کو
یہ تاؤ یا کوئی دھن اینٹھتے ہوں۔ ذرا کھوج اپنی گردن،
واں ملے گا

وہ تسمہ جس سے یہ اوپر کسی ہے۔ پریشاں روح! اسینہ
چوڑا چکلہ

یہ تیرا جس پہ آویزاں ہے تعمہ“ ہوا وہ مجھ سے اب گویا۔
”ملامت

کئے جاتا ہے جو خود کو ہے نمرود؛ یہ اسکی الٹی مت کا شاخسانہ
نہیں دنیا میں رائج ایک بولی، چلو گزریں کریں کیوں نفظ ضائع

زباں جو دوسروں کے واسطے ہے بھلا پتے پڑیگی خاک اس کے.

فلاخن

ہم اپنے دائیں کو مڑ کے چلے تیز، ہیولی مار پہ گو پہن کی تھا ایک
بلا کا وہ عظیم الجثہ، خونخوار، نہیں کہہ سکتا کس دستِ قوی نے
کیا ہوگا اسے یوں پا بجولاں، مگر جکڑی ہوئی وہ بانہہ دائیں
اٹھائے پیٹھ پر تھا ـــ اور زنجیر پڑی تھی دوسرے پر، سامنے جو
گلے سے اس کو باندھے تھی تلے تک. نمایاں پانچ بار اس
ڈیل کے گرد
تھیں پیوستہ وہ سب مرغول کڑیاں، مرا رہبر: "یہ گردن کش ہوا تھا
مقابل زور آور مشتری کے کرے زور آزمائی ـــ سو یہ انجام!
اسے کہتے ہیں ایفی لیٹس، اس میں شجاعت تھی بلا کی ـــ جب
جنوں سے
ہوئے تھے دیوتا لرزہ بہ اندام، یہی بازو جو اس نے تب چلائے
کبھی جنبش نہ ان کو دے سکے اب." کہا جھٹ میں نے: "یہ
آتی ہے جی میں
جو ہو امکاں تو بہرہ مند آنکھیں ذرا ہو جائیں واقف کردنی سے
بری یارس کی ـــ وہ بغلول بے ڈول." وہ تب: "یاں
سے نہیں آگے زیادہ
ملے گا انطیاس اور وہ ہے رہا اور بات بھی کرتا ہے، ہم کو
وہاں لے جائیگا، جرم وخطا کا جہاں پر انتہائی ماجرا ہے.
وہاں سے اور آگے فاصلے پر کھڑا ہے تو جسے چاہے گا ملنا
سلاسل میں اسی آسیب کا سا، سؤر کا بال جس کی آنکھ میں ہے.

نہ ہو بھونچال کی شدت سے ایسے کوئی مینار جنید لرز کر
کہ اپنی نیو تک رہ جائے ہل کر، اس ایفی لیٹس کا عالم تھا جیسا
نہیں، اس سے زیادہ موت کا ڈر کبھی مجھ کو ہوا ہوگا کہ اب تھا.
نہ ہیبت بھی ضرورت مندافزوں — گر وہ رسیاں دیکھی جو باندھے
بندھا تھا خوب جن کے ساتھ کس کر۔ قدم زن انطیبائس
کے قریں سے
سفر کرتے ہوئے ہم آئے سیدھے — بغیر سر، مکمل پانچ میٹر
مغارے میں سے باہر وہ برآمد۔ (مغارہ - بھٹ)

مرا استاد یوں گو یا ہوا: "او کہ تو اس وادیٔ شاداں
میں جس نے (قرطاجنہ کے قریب)
بنایا سپیو ئے اعظم کو وارث شکوہ وجاہ کا — فوج ہنی بال
جب اسکی تیغ بیجادہ کے آگے ہوئی پسپا تو لی راہ فرار۔ اور (بیجادہ - سرخ)
غنیمت میں فقط تیرے لئے وہ وہاں سے لایا شیر شرزہ (شرزہ - تند، وحشی)
اک سو.
ہوا تھا بر سرِ پیکار اگر تو بڑے گھمسان رن میں، بھائیوں کی
حمایت میں
تو ہے جیسا عقیدہ ابھی تک بھی یہ لوگوں کا، بظاہر
کرشمہ سب تری باہنوں کا یہ تھا، کئے مغلوب ابنائے زمانہ
کرم فرما، وہاں پہنچا ہمیں تحت، جہاں سن ٹکر کا زندانی
ہے کسٹس
نہ کر عاجز ہمیں اتنا کہ چاہیں ٹٹائس کی کمک یا ٹائفن کی،

یہاں یہ شخص ہے بر لائے گا جو تمنا تیری اس اقلیم میں یا ہے۔
بس آ، مت ہونٹ نفرت سے سکوڑ اب، تجھے اب بھی
جہانِ فوق میں یہ
خبا سکتا ہے نامی کیوں کہ یہ تو ابھی زندہ ہے اور بشر سے اپنے
نظر آتا ہے کافی ہی جیئے گا، نہ تائیدِ الٰہی عاطفت میں
اسے کر لے اگر خود قبل از وقت"۔
بڑھا کر ایک دم ہاتھ اس نے اپنا مرے رہبر کو تھاما ماسبق میں
نہ مضبوط اس طرح تکلیف وہ تو گرفت، السیڈز نے محسوس
کی ہو۔
لگا اس کا پتہ رہبر کو جونہی تو وہ یوں مجھ سے بولا: "اس طرف آ
تجھے میں تھام لوں"! پکڑا مجھے پھر کچھ ایسے بار اک ہم
ہو گئے دو۔

بولگنا کا خمیدہ مینارہ

دکھائی دے کری سنڈا کا مینار جہاں نیچے کو ہے اس کا جھکاؤ
اور اس پر سے کوئی ابر رواں یوں پرے گزرے کہ الٹی
سمت سے وہ
نظر آویختہ آئے۔ لگا یوں مجھے وہ انطیاس خم زناں، جب
اسے دیکھا کچھ اطمینان کے ساتھ ۔ خوشی سے میں تو رستہ
اور لیتا
اسے طے کرنا پڑتا تا خواہ سو بار۔ بہر حال اس نے اس پاتال
میں ہی جو
کئے ہے تھاہ میں محبوس اپنی یہودا اور لوسی فر کو۔ آخر

ہمیں آہستگی سے جا اتارا، رکا وہ اور نہ پہنوڑا یا،
اٹھا بس

کشیدہ جس طرح زورق میں مستول۔

کینٹو (۳۲)

زیریں طاس ___ نواں طبق ___ طارم اول

تلخیص : اس کینٹو میں اول اور جزوی طور پر دیگر وہ طارم بیان کئے گئے ہیں جن میں نواں اور آخری طبق منقسم ہے۔ طارم اول ـ کائینہ ـ ہے، یہاں دانتے کیمی کن زیادتی سے دوچار ہوتا ہے جو اسے دوسرے گنہ گار شمار کرتا ہے کہ مغضوب و معتوب ہیں۔ دوسرا طارم ـ انتی نرہ ـ ہے جہاں اسی انداز میں بوکہ دیگلی ایتی ہے اس کے رہینِ عقوبت و ایذا ہمراہیوں کی روداد معلوم ہوتی ہے۔

مجھے ہوتی اگر قدرت کہ موزوں گرج گھمبیر کے اشعار کرتا
موافق اس شگافِ غم گزیں کے کئے تھی جس کے اوپر ہر
پہاڑی

بلند اڑ دا اپنی سخت محکم ـ تو یہ ممکن تھا پروازِ تخیّل
کنارِ عرش چھو آتی ـ مری تو نہ بحریں ہی دشمن ہیں ہر رج کی،

سخن سنج اک ادق موضوع پر ہوں ۔ یہ کنہِ کائناتِ کل کی
تفصیل

بیاں کرنا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے ۔ زباں درکار ہے اس کیلئے جو
کسی بچے کی کلکاری نہیں ہو ۔ مری اس مثنوی میں ہمنوا ہوں
سرود انگیز دوشیزائیں جن کی اعانت سے کیا تھا ایمفیئن نے
حصاروں کے دروں تعمیر ۔ اس طرح نظم حقیقت بر ملا
موزوں ہوگی ۔

AMPHION

اے بدبخت لوگو ! بہتر سب دگر آشفتہ حالوں سے مکیں ہو
حویلی میں جو ایسی ۔ برمحل لفظ نہیں ملتے کہ حال اسکا رقم ہو ۔
کہیں بہتر تھا ریوڑ یا زمیں پر پہاڑی بکریاں ہوتے اگر تم !!
ہم استادہ اندھیری تھاہ میں تھے جنوں کے پاؤں کے
نیچے بہت ہی
مگر پستی میں ان سے ۔ اور افراز مری آنکھیں کنگورے
پر لگی تھیں ۔

یکایک اک ندا یوں مجھ سے بولی : " چلا جاتا ہے کیسے دیکھ
بے تو
سنبھل کر چل ، نہ تیری ایڑیاں سر کچلتی جائیں تیرے بھائیوں کے "
پلٹ کر اب جو دیکھوں مرے آگے تھی اک جھیل ، اس کی
سطح منجمد ، بیش
دکھائی آب سے دے آبگینہ ۔ زمستاں میں نہ ڈینوب آسٹروی
کسی ماندہ بہاؤ پر بھی اپنے دبیز ایسا کبھی پھیلائے گھونگھٹ

نہ زیرِ آسمانِ زمہریری دراز و دور طنائیں ہمیں طور۔

تبز نک اور تبر یا نک کے تودے اگر اس پر لڑھک کر آن گرتے

ترخ باقی نہ اسکی کو رتک بھی۔ ابھر کر موج سے ٹرائے مینڈک

تو اکثر اس گھڑی سپنے میں اپنے مگن ہو ایک انہاری گنوارن

مشقت میں ہمیں طور آئینہ ہو جہاں تک شرم مجبوبی،

کھڑی تھیں

خلش سے نیلی کچ ارواح نیچے کفن میں برف کی ملفوف اس جا۔

وہ جنباں دانت لپنے کٹکٹاتے صفیرِ تیز ہو لق لق کی جیسے۔

ہر اک سر اپنا ہنہوڑائے ہوتے تھا، ٹھٹھر کر ان کے منہ

سُن ہو گئے تھے،

غمِ دل ان کی آنکھوں سے نمایاں۔

نظر دوڑائی ہر سو ناحیہ میں تو وہ پیروں میں یوں

پسرے پڑے تھے

گتھے باہم کر، گیسو کا کل اُلجھ کر ہو گئے تھے جھاڑ جھنکاڑ۔

کہا میں نے: "کہو سینے میں پیوست بہم اس طرح جن کے

کون ہو تم؟"

انہوں نے اس صدا پہ گردنوں کو جھکایا اور جب انکی نگاہیں

اٹھیں مجھ تک، متقطر کر گئیں جھٹ وہ آنکھیں لب پہ تمنا کی

دروں کی۔

تمام آنسو کئے کہرے نے پابستہ وہیں ڈیلوں میں،

واں اٹکائے رکھا۔

پہاڑوں کے نام

ان + ہاری، مقابلہ کریں

پن ہاری

نہیں تختہ پہ تختہ کو ملا کر کبھی مضبوط یوں ٹھونکا گیا ہو،
ہم دو مارکھن مینڈھوں کی مانند وہ ٹکراتے تھے جیسے۔ اُن
غضب ناک۔
اور اک پالے نے جس کے کان دونوں دیئے تھے مار
چلایا، بدستور
نگوں نگراں: "ہمارے باب میں کیوں طویل ایسی قیاس آرائیاں
ہیں۔
وقوف ان دو کے بارے میں ہے درکار۔ ترائی ریلیتا ہے
اپنا موجہ
جہاں لی سن زیو سے تسلیم اس نے کیا تھا حکمراں خود باپ
ان کا
وہ البرٹو، اور اس کے بعد انہیں بھی، وہ اک ہی بطن سے
پیدا ہوئے ہیں،
یہ سارا کائنہ تو چھان مارے نہیں بھتنا کوئی ان سے زیادہ
ملے موزوں کہ یخ بستہ ہیں ٹھونکیں۔ نہ وہ، اک ضربِ
دستِ آرتھر نے
کئے دو نیم جس کے ذات وسینہ، نہ فوکاشی، نہیں وہ بھی
نہیں روح
وہاں، جس کا بہت ابھرا ہوا سر مزاحم ہے مرے منظر کے آگے۔
ہے اس کا نام مسچورینی، ہے تو اگر ٹسکن تو ہو گا آشنا خوب
کہ وہ تھا کون۔ قصہ خیر کوتاہ، مرے حلیہ میں تو پہچان

اصل، مارکھنڈ

البرٹو کے دو بیٹے کہ دونوں نے ایکدوسرے کو مار ڈالا۔

مردرک، آرتھر کا بیٹا جسے غداری کے شبہ میں باپ نے نیزہ مار کر دو نیم کر دیا تھا۔

فوکاشی: اسی کی منتقمانہ جگبازی کے نتیجے میں نیری اور بیانچی جماعتیں بنیں۔

مسچورینی: ایک فلورنسی

لے اب

ہوا کرتا تھا کیمی کن کبھی جو، یہاں ہوں منتظر میں ایک اپنے
قرابت دار کرلینو کا، اس کا گنہ سنگیں کریگا صاف میرا۔"
مجھے رُخ اک ہزار آئے نظر تب کڑا کے کی کڑی ٹھٹھر نے
کیا تھا
جنہیں بہروپ میں کُتا تکو سی۔ جب آئے تھپتھلے برفاب
میرے
خیالوں میں تو مجھ پر رینگ کر اک ہراسِ لرزہ خیز آیا مسلّط۔
چلے جاتے تھے منجھواڑے کو ہم اب جہاں حد پر تھا ضم
سب ٹھوس رسکس۔
ٹھٹھر تا بیچ سے اُن انٹسن کے، نہیں یہ علم ان ہوفی
ہوئی تھی
کہ تقدیری تھا امرِ اتفاقی، خرامیدہ سروں کے درمیاں سے
مگر ٹھوکر لگی منہ پر کسی کے، کچھ ایسے زور سے وہ بلبلا کر
پکارا: "کیوں کچلتا ہے مجھے تو، ترے ذمہ لگی یہ چیرہ دستی
کوئی تازہ برائے مانٹ پر ٹو جو ہے یوں تو مری ایذا کے درپے۔"
کہا میں نے: "ذرا استاد رک جا، غلط فہمی کا ہو جائے ازالہ،
ازاں پس پھر تری مرضی کی عجلت۔" مرا استاد ٹھہرا اور میں نے
کہا اس سایہ سے جو بر ہمی میں مجھے پی پی کے پانی کوستا تھا
"بتا تو کون ہے جو دوسروں پر کیئے جاتا ہے یوں تشنیع بے جا؟"
وہ بولا: "خیر سے، تو کون ہے جو ادھیڑے گال یوں اوروں کے
ایسا

فوکاشی کی طرح اپنے چچا
کا قاتل
کیمی کن: اپنے ایک عزیز
کا قاتل
کرلینو: ۱۳۰۲ میں دھوکے
سے اس نے ایک قلعہ محاصری
کے حوالے کر دیا۔
(رسکس: مواد۔)

اس مقام پر لوکہ نے غداری

خراماں بے لگام اتنی زرہ میں، نہیں جس کی یہاں بالکل اجازت
لگے جیسے میاں زندہ ہو اب تک۔"
جواب اس کو مرا یہ: "ہو مسرت تجھے کچھ، بر سبیل تذکرہ گر
سنے میں واقعی زندہ ابھی ہوں۔ ہوس شہرت کی ہے تو نام تیرا
کروں میں دوسروں کے ساتھ مرقوم۔" وہ بولا: "بلکہ ہے
خواہش تو برعکس
یہ جسکی پیش کش فرمائی تو نے، نہ کر دق اور چلتا بن یہاں سے
تری ماری گئی مت، چکنی چپڑی جو اس وادی میں باتیں
کر رہا ہے۔"
تب اسکی ٹانٹ پیچھے سے پکڑ کر کہا یہ چیخ کر میں نے: "بتا نام
نہیں تو بال اک سر پہ نہ ہوگا۔" جواب اس نے دیا: "تو نوچ بودی
نہ منہ سے لفظ اک پھوٹے گا میرے، نہیں افشا کروں گا کون
ہوں میں
ہزار اک بار بھی گر نوچ لے سر۔"
لٹیں مٹھی میں اب اسکی پکڑ کر کھسوٹا ایک گچھے سے زیادہ
وہ بنکارے چلا جاتا تھا، آنکھیں سکوڑ اندر کو اور کر کے نگوں سار؛
دگر اک پاس سے تب چیخ اٹھا: "پڑی ہے کیا مصیبت
تجھ پہ بوکہ،
بجا مت کٹکٹاتے دانت پُر شور، اگر کہنا ہے کچھ تو بھونک
کھل کر
تجھے یوں کون شیطان اینٹھتا ہے؟" "تو میں؟" ہو گنگ اب
ملعون غدّار۔"

اس نام کے ایک شخص نے
لڑائی کا شہر دھوکے سے دشمنوں
کے حوالے کر دیا تھا۔ سو جگہ
کا نام جہاں غدار محبوس تھے۔

بودی۔ بال

"دفان اس نے کہا": ہے جی میں جو بک، مگر جب تو یہاں سے
بچ کے نکلے
نہ اسکے تذکرے کو بھول جانا، زباں جسکی تھی قینچی کی طرح تیز
فرانسیسی زر اک لعنت جسے تھا یہ کہہ سکتا ہے تو، وہ ڈیوریائی
نظر آیا تھا مجھ کو جس جگہ پر معاصی، ایڑیاں فاقوں کے مارے
رگڑتے ہیں، کوئی پوچھے اگر اور ہیولی کون تھا ہمراہ انکے
برابر میں ترے بیکار یہ ہے فلورنسی ہلاکت زا کلہاڑی
تلی لال جس کی بھر گئی تھی، یہ اندازہ غلط میرا نہیں تو
مقیم آگے وہاں سلدا نری ہے۔ گر نیلو اور تری بل ڈبل کے
ساجھی،
وہی وا کر دیا تھا جس نے فینزا جب آسودۂ خواب (شب)
تھے سب لوگ۔"
اسے چھوڑ آئے رہ لی ہم نے اپنی، ملیں کھادر میں دو
روحیں دریدہ
کچھ ایسی، برف پر، سر ایک اس کا بنا تھا قبہ جبہ دوسری کا۔
ہڑپ ہو بھوک میں جس طرح روٹی، وہ اوپر، یوں چلائے
جا رہا تھا
دگر کے مغز میں کھاگ اپنے واں تک جہاں پر ریڑھ کی ہڈی
جڑی تھی۔
نہ خونخواری سے ایسی ٹائی ڈس نے منالی پس کی کن پٹیاں
چبائیں

ڈیوریہ گھرانے کا
اس نے بھی غداری کی۔

شارلیمان سے غداری کی
دوسرے نے دھوکے سے فینزا
کے در کھول دیے۔

وہ جیسے کھوپڑی کو ٹھونگتا تھا، گرا پڑتا تھا ملغوبہ پر اس کے

کہا میں نے: "اے اظہارِ نفرت بہیمانہ ترا پنجہ زنی سے

یہ کیوں اس طور بیچارے پہ آخر، سنوں میں بھی جواز اس

برہمی کا۔

پتہ معلوم ہو گر کون ہے تو یہ ویگر کی خطا کس نوع کی ہے،

جہانِ فوق میں شاید کروں میں اداحق تیرا جس سے ہوں

سخن راں | یعنی زبان

رہی تا دیر گر اس کی رطوبت۔"

کینٹو (۳۳)

زیریں طاس ــــ نواں طبق ــــ طارم دوئم/سوئم

تلخیص: شاعر کو نواب اگلینو زخودکشی اپنی دل پاش کہانی سناتا ہے کیسے اسے اور اس کے بچوں کو اسقفِ اعظم رگیری کے حکم پر برجِ پیسا میں فاقوں سے ہلاک کیا گیا تھا۔ آگے تیسرا طارم بطلیموسیہ ہے جس کے اندر وہ منافق اور ریاکار محسوب ہیں جو مہربانی واخلاص کی ظاہر داری سے لوگوں کو فریب کا شکار بناتے تھے۔ ایسا ہی راہب ابریکوز منفریدی تھا۔ عجیب و غریب ایک واقعہ اس نے سنایا کہ اس

طارم میں ایک روح ایسی بھی مبتلائے عذاب تھی جس کا زندہ
جسم عالم بالا میں آسیب کے اثر میں ہے۔

نجس بھوجن سے جبڑوں کو وہ عاصی اٹھا کر پوچھتا
ہے موئے سر سے
نکالا تھا کچو مر جس کا پیچھے۔ یہ تب آغاز: "پھر خواہش یہ تیری
کروں دل پاش غم کا میں اعادہ، ہوئی مدت فزو جو ہو چکا ہے،
جگر پھٹتا ہے جس کو یاد کر کے کہیں پہلے کہ وہ ہونٹوں تک
آئے۔
مگر جو تذکرہ اب کر رہا ہوں اگر ہو بادآور تخم ثابت
لے یہ روسیاہی کا ابد تک، گڑے ہیں جس فریبی پر
مرے دانت
مجھے پائے گا جھٹ گریاں دگویا۔ خبر اس کی نہیں، جو کوئی
تو ہے
نہ یہ وارد ہوا کیوں کر تری یاں، ترا لہجہ سماعت میں مجھے تو
دکھائی دے فلورنٹین سچ مچ۔ تجھے معلوم ہو میں تھا زمین پر
نواب اگلینو، یہ اسقف رگیری۔ نیا رکھا ہے حرزِ جاں اسے کیوں
سن اب۔ اس کے خیالاتِ ذلوں کا یہ خمیازہ ہے۔ اس
پر میں نے ناحق
کیا تھا اعتماد اور پھر ہوا میں اسیر اور بعد میں مقتول۔ یہ سب
مگر دہرانا ہے تحصیل حاصل۔ ترے کانوں تک پہنچی نہ ہو گی

مگر تفصیل جو، یعنی مرا قتل

چھپا نہ تھا کیسا، اب سنے گا۔ کہ تجھ پہ واقعی ہو فاش، مجھ پر
ستم سفاک نے ڈھایا تھا کیسا۔ سلاخوں کا قفس ڈربے میں،

جواب

مرے باعث بنا ہے کوٹھڑی کال، رگڑتے ہیں جہاں اب
ایڑیاں اور۔

ہوا تھا، بار بار روزن سے اپنے مجھے وہ مہ نما، طاری
ہوئی جب

زبوں وہ نیند مجھ پر جس نے رشتہ کیا منقطع مستقبل سے میرا
یہی میں تو کہوں میر شکار اک رواں تھا صید کرنے مضمحل
گرگ اور اس کے پلّے۔

اس کہسار تک، بند کرے لکہ" کا منظر جو پیسن سے۔
سبک تن کتیائیں ساتھ اس کے وہ کھوجی اور آفت۔
سامنے تھے

ہر اول میں صف آرا ان فرانچی گوالنڈی، وسس منڈی
کے ہمراہ۔

زمانہ ہو گیا تو باپ بیٹے پڑے کمزور، اضمحلال ایسا
مجھے تو یوں لگا نوکیں نابیں کئے دیتی تھی پہلوان کے
خوں ناب۔

کھلی جب آنکھ میری پو پھٹے تو سنا میں نے کہ اپنی نیند میں وہ
مرے فرزند (وہ بھی ساتھ ہی تھے) مچل کر جیسے روٹی مانگتے ہوں،

ستمگر ہی کوئی ہوگا تجھے گر نہ اندازہ ہو میرے وسوسے کا
مرے دل نے جو کی ہے پیشین گوئی ۔ نہیں اب گر تو پھر کس کام کی ہے
تری یہ اشک افشانی اگر ہو۔
وہ جاگ اٹھے، وہ ساعت آن پہنچی دیا کرتے تھے جب خوراک
ہم کو۔
ہر اک کا ذہن پر اندیشۂ خواب، سنا میں نے چڑھایا قفل نیچے
بھیانک برج میں جو رہگذر تھی، وہ در جس سے تھی ممکن آمد و رفت۔
مجھے تو لگ گئی چپ، سانپ سونگھا، بڑی بے چارگی سے
حسرت انگیز
نظر میں نے جگر گوشوں پہ ڈالی، مری آنکھوں کے سوتے
ہو گئے خشک
کہ میں اندر سے پتھر بن گیا تھا۔ وہ روئے پھوٹ کر اور لاڈلا وہ
مرا انسلم چیخا، "تک رہا ہے مرا ابّا جو یوں کیا دکھ تجھے ہے"؛
مگر امڈا نہ میری آنکھ سے اشک، رہا گم سم، نہ بن آیا کہ دیتا
جواب ان کو۔
وہ سارا روز بیتا، گئی اگلی بھی شب، حتّٰی کہ سورج ہوا اک تازہ
دنیا میں نمودار،
ہوا اس کلبۂ احزاں میں اپنے گذر تب ایک مدھم سی کرن کا۔
نظر ان چار چہروں میں جب آئی مجھے اپنی جھلک تو فرطِ غم سے
چبا ڈالے خود اپنے ہاتھ میں نے، گماں گزرا انہیں تھی پیٹ
کی آگ بجھانے کو یہ حرکت اضطرابی۔

اُٹھے یکدم وہ چلاتے ہوئے سب ہمیں کچھ بھی قلق یا نہیں ہو
تناول کر ہمیں اس بھوک میں تو کہ یہ تخمِ زبوں تیری عطا ہے
جو اترن ہم نے زیبِ جسم کی ہے "اسے گر نوچ لے تو، حرج
ہی کیا"۔

نسرِ وہ تر نہیں ان کو کروں، سو رہا چپ چاپ پٹّہ مار کر ہیں۔
رہے اس روز پنبہ در دہن ہم اور اگلے دن بھی — اے
ارضِ لئیم، اف
نہیں شق ہم پہ تو ہوتی نہیں کیوں! — چڑھا جب ہم پہ
چوتھا دن اسی طور
تو چت پیروں پہ میرے گر کے گڈو یہ چلایا: "مرے ابّا نہیں کیا
مجھے کچھ آسرا ابھی؟" چل بسا پھر۔ دکھائی دے رہا ہوں صاف
جیسے
مری آنکھوں کے آگے پانچویں اور چھٹے دن ایک اک کر کے
وہ تینوں
گئے دم توڑ — اور پھر میں، کہ میری نظر جاتی رہی تھی، تین
دن تک
ٹٹولوں اور پکاروں — ہائے ان کو کہ جاں جاں آفریں کو
دے چکے تھے۔
ہوا تب جا کے فاقہ غم پہ حاوی " یہ کہہ کر اسکی کنٹھک کھوپڑی پہ ذلیل
پھر اس نے یوں گڑ دئے دانت اپنے کہ ہڈی کو دبوچے
ایک کتا،

تو بس اسکو چھوڑے اور نہ چھوڑے۔ پسا اِتنٹ، ان اہالی کی
رسوئے جو
فروکش اس حسین خطہ میں، بولی جہاں فردوسِ گوش اٹلی کی
ہے۔ بس
یہ سب اس واسطے، ہمسائے تیرے تساہل کوش ہیں، ٹوٹیں
نہ تجھ پر۔

(دو جزیرے ارنو کے دہانے پر)

پھر یہ اور گرگو نہ ہی نکلیں اگم طاسوں سے باہر اور دیں باندھ
دہانے پر وہ بند ارنو کے، تیری ہر اک ذی روح کو غرقاب کر دیں
روایت مستند، تیرے گرڈھی کوٹ گرا گلینو نے دھوکے سے ہرائے
تھے! اس کا تو حق بالکل نہیں تھا کہ بچے اس کے سولی پر
چڑھائے۔
بری گاتا، یگیسیون اور وہ بڑا معصوم جوڑا، جن کی بابت
مری اس مثنوی میں تبصرہ ہے'۔ وہ ان کی کمسنی "اے تھیبز حاضر
بناتی ہی تھی کب تقصیر کا اہل"۔ ہم آگے بڑھ گئے ملفوف دیگر
جہاں تھے برف کی کھُردری تہوں میں، نہیں پیروں یہ کوئی،
بلکہ اوندھے۔
عجب ماحول وہ خطّہ جہاں پر مجالِ گریہ گریہ کو نہیں تھی،
کہ غم آنکھوں سے ان کی رہگذر کا تمنائی ٹھٹک جاتا تھا پا کر
رکاوٹ اور لڑھکتا پھر پلٹ کر اضافہ کے لئے کربِ
دروں کے۔

(چھجّا)

سرشکِ اولیں یکجا معلق بہ اندازِ چکیدن جیسے ادٹہ

وہ کوئی مغفرِ بلور کا ہو، پیالہ میں یہ تحت چشم خانہ۔

ہوئی بُشرےسے مرے چہرے کی حس شل سراسر جس طرح
پتھر ہو، لیکن

کیا محسوس میں نے ایک جھونکا۔ کہا میں نے: "مرے استاد جی یہ
کدھر سے آرہا ہے، ورنہ یاں تو بجھ کر رہ گیا ہے ابخرہ سب"۔
جواباً وہ: تری آنکھیں تجھے جلد بتا دیں گی ابھی جب بھانپ
لیں گی

ٹھکانہ جو پون بوچھاڑ کا ہے"۔ پکارا ایک تھا جو قشر یخ پر
وہیں شیون کناں: "ایسی ستم راں اری روحو کہ ابعادِ ویہ میں
تمہارا زاویہ طے ہے، مرا یہ نقابِ منجمد رخ سے ہٹا دو
ملے تا راہ میرے غم کو، جس نے مرے دل میں بسیرا کر لیا ہے۔
ذرا سی دیر ہی کو قبل اس سے یہ جم جائے دوبارہ"۔ اس سے
میں نے

کیا دریافت: "کہہ تو کون تھا، گر مری امداد کی حاجت تجھے ہے،
نہیں تجھ کو رہا پھر بھی کروں گر پھسل کر برف اسفل میں دھنسوں میں"
جواب اس نے دیا: "البرگو راہب، وہی میں ہوں کہ باغ زشت
سے پھل

اُتارے میں نے جن کا اب مزا میں بجایاں چکھ رہا ہوں،
یہ کھجور اک

مری انجیر سے بڑھ کر رسیلی"۔ "ارے" میں چیخ اٹھا "کیا چل بسا تو؟"
جواباً وہ: "جہانِ فوق میں کیا بدن پر اب گزرتی ہے، مجھے کچھ

نہیں معلوم ۔ حاشا یہ مراعات میسر ہیں تو بطلیموسیہ میں،
یہاں چھوڑی ہے اس نے روح اکثر نہ اطروپس کرے گو
ترک ابھی وہ۔

بطلیموس سے مشتق، ابن ابوبی جس نے سائمن اور اس کے پسر ہلاک کئے۔

پھر اس سے بھی زیادہ خوشدلی سے دمکتے قطرہ ہائے اشک
پونچھے
مری آنکھوں پہ نمگیرہ ہوئے جو، "تجھے ہو آگہی جس ثانیہ روح
یہ اپنا چھوڑتی ہے ساتھ، میں نے تایا جیسے، اک آسیب کو تن
حوالے اپنا کر آئی ہے، مابعد لسے وہ اپنی مرضی کے مطابق
رواں بھی اور رکھتا ہے دواں بھی۔ یہاں تک وقت جب
اس کا ہو پورا
تو گر جاتی ہے اس جوہڑ میں اوندھی۔ اگرچہ ارتجالاً فوق آئے
ہیولی جسم کا اس کے نظر بھی عقب میں جو ٹھٹھر تا ہے مریاں
کرے گا تو شناخت اس کو ہوا ہے اگر اسفل میں وارد
تازہ تازہ
برنکہ ڈوریہ کو سالہا سال، ہوئے ہیں اس جگہ زنداں میں نیچے!"
جواب اس کو دیا میں نے: "مگر تو اتر آیا ہے مجھ سے
دل لگی پر
برنکہ ڈوریہ مرحوم کب ہے، کہ زندہ آدمی سا وہ تو اب تک
بجا لاتا ہے سارے کام فطری ۔ وہی خوردن وہی نوشیدن
اس کا،
وہ جامہ پوشی و شیریں خوابی ۔" وہ ایسے" تا ہنوز اخدود میں غرق

ڈوریہ گھرانے کا، اپنے خسر کا قاتل

جہاں پہرہ پہ ہیں مردود چنگال، اُبلتی ہے جہاں پر چپچپی قیر،
محلِ زلاپنچے ہوا وارد، — تو یہ شخص بدن میں اپنے چھوڑ آیا
تھا اک دیو

بجائے خود بھی اور اس خویش کے بھی نہیں اس سے وفا جس
نے نبھائی۔

بڑھایا تھا اور مری آنکھیں مگر کھول۔"

انہیں کھولا نہ میں نے، حق میں اس کے یہ کج خلقی
کہ خلق انتہا تھی۔

ارے اہلِ جنیوا، بدنہاد و — ہر پیرایہ تم لتھڑے ہوئے ہو
ہر اک فسق و بدی میں، کیوں نہیں تم زمیں سے یکسر ناپید آخر۔
کہ تم ایسی ملی افزوں سیہ کار رومگنا کی مجھے بس روح — جس کے
عمل کا شاخسانہ ہے کہ اب بھی کسی ٹس میں ہے اسکی روح غرقابہ — یعنی راسب البرگو کی (COCYTUS)
اگرچہ جسم کے بل تے ابھی تک نظر آتا ہے وہ زندہ سرِ ارض۔

کینٹو (۳۴)

زیریں طاس — نواں طبق — طارم چہارم

تلخیص: نویں طبق کے چوتھے اور آخری طارم میں سر تا پا
برف کے اندر وہ دھنسے ہیں، جو اپنے محسنوں سے نمکحرامی

کے مرتکب ہوئے۔ منجدھار میں لوسی فر ہے۔ ابلیس، دانتے اور ورجیل اس کمر کرہ پہ اترتے ہیں۔ پھر ایک چور راستہ سے وہ دوسرے نصف کرہ زمین میں پہنچ جاتے ہیں۔ ایک بار پھر ستاروں کا جگمگاتا منظر ان کی نظر کے سامنے ہے۔

مرے رہبر نے فرمایا: "علم وہ شہنشاہِ جہنم کے سرافراز
ہماری سمت لہراتے چلے ہیں، نظارا کر، تجھے دکھلائی دے گر"
مثیل اک ابر گہرے اور گھنے کے، کرۂ اپنے ادھ کرے پر شب
کے سائے
مسلط جس طرح ہوں، دے دکھائی کہیں دور اک پون چکی"،
جسے دیں
تھپیڑے تیز چکر۔ بس مجھے تو لگا وہ ہو بہو نقشہ یہ سارا۔
ہوا کی زد سے بچنے کے لئے لی جھٹ اپنے راہبر کی اوٹ
میں نے؛
نہیں تھی آڑ کوئی دوسری واں۔ اب آیا میں ۔۔۔ تذبذب
سے مگر یہ
مجوریہ مثنوی میں ڈھالتا ہوں) ۔۔۔ جہاں زیریں تھیں سب
روحیں ٹھسا ٹھس ۔۔۔
دروں شفاف شیشہ میں سے لیکن نمایاں آبگینے پرندے کی مانند؛
پڑے تھے چند اوندھے، دوسرے راست ستادہ ایڑیوں پر
یہ اگر، تو

وہ سر کے بل گئے تھا تیسرا رُخ کماں سا پاؤں تک اپنا خمیدہ
جب اس موقع پہ ہم پہنچے تو منشا ہوا رہبر کا اب دیکھوں
اسے میں
کبھی جو شے مرقعِ حسن کی تھی. مجھے روکا، مرے آگے سے
ہٹ کر
پکارا: "دیکھ ڈس کو دیکھ ہاں یہ محل بھی دیکھ — یاں کرنا
پڑے گا
تجھے تو حوصلے سے لیس دل کو."
ہوا میں کس طرح مفلوج، کیسے ہو گئے اوسان گم میرے نہ قاری
کرے یہ پرسشِ احوال مجھ سے، نہیں قدرت کروں میں یہ قلم بند،
ہوئے ہیں لفظ ایسے بے بضاعت حقیقت کی نگارش کر
نہ پائیں.
نہ تھا مردہ، نہ میں زندہ، مگر سوچ قیاس آرائی کا ملکہ ہوا ہے
ودیعت تیز اگر اس وقت میری جو کیفیت ہوئی ہو گی - کہ "پاپا"
ستمگر حاکمِ اقلیم اندوہ کمر تک برف سے باہر کھڑا تھا.
ضرور اک دیو ہیں قامت میں نکلوں کہ جیسے اس کے جنّاتی
تھے بازو
اسی اک عضو کی نسبت سے کر لے اب اندازہ وہ ہیکل کل
جو ہو گا.
جمیل اتنا رہا ہو گا کبھی گر کریہہ المنظر اب وہ جس قدر تھا.
مگر اس پر ڈھٹائی کی یہ نوبت کہ اپنے خالقِ اکبر سے ڈٹ کر

وہ چتنک زن تھا۔ پھر کیسا اچنبھا اگر اس ذات نحس آلود
سے سب
مصائب ہم پہ نازل ہوئے ہیں۔ وہ منظر اف تحیر خیز کیسا
کو سر کے گرد اس کے تین منہ تھے ۔ وہ بالکل سامنے شنگرف
گوں تھا
دگر دو ساتھ ہر مونڈھے کے ادھ بیچ تھے یوں پیوست چوندہ
پر، لگے تھا
نظر کو زعفرانی زرد دایاں، تو بایاں نیل پیرانہ کی مانند
اترتا ہے ترائی میں جہاں وہ، ہر اک کے تحت دو شہپر برآمد
کشادہ جس طرح سیمرغ کے پر۔
نہیں دیکھے تھے بحر بیکراں پر کبھی گسترده میں نے بادباں یوں
پٹر پٹر و پر نہ روئیدہ تھے ان پر، شپرہ سی نسیج ان کی نگر تھی۔
انہیں یوں پھڑپھڑاتا تھا ہوائیں نکل کر تین ان سے سرسرائیں
کسی ٹس جن سے تہ تک منجمد ہو۔ وہ چھ آنکھوں سے گریاں،
اشک ہو کر
رواں تینوں زنخدانوں پہ نتھریں اور ان میں جھاگ بن جائے
لہو رنگ۔
ہر اک منہ سے وہ دانتوں میں بچھوڑے خطاکار ایک ایک
ایسے۔ نکالے
کچومر جس طرح جر ثقیل ایک، عقوبت میں وہ تینوں اس
نمط تھے۔

یہ تین ۔ غصہ، حسد، بدی
سے تعبیر کیے جا سکتے ہیں۔
یا یورپی، ایشیائی اور افریقی
ملل۔

مگر اس کٹکٹاہٹ میں اذیت فزوں تر اولیں تھی ۔ وہ دریدن
درندانہ کہ جس سے بیش اوقات ادھڑ کر کھال رہ جاتی کمر سے
مرا رہبر مجھے کہنے لگا: "وہ پرے کی روح جس کو مل
رہی ہے
سزائے بے نہایت، ہے یہوداؔ ۔ کہ سر تو گھس گیا ہے اندر اسکا
چلاتا ہے وہ باہر ہاتھ اور پاؤں ۔ دگر دونوں کہ جن کے سر معلق
ہیں پگ جبڑے سے نیچے، ایک ان میں بروٹس ہے، برابر
اینٹھتا ہے
زباں پر حرف اک لاتا نہیں وہ، دگر جثہ کا بھاری کاشیس ہے — مراد کوئی جو آئینی حکمران کا قاتل ہو۔
مگر اب رات پھر سے بھیگتی ہے، یہ رخصت کی گھڑی ہے.
یوں بھی ہم نے مکمل سب نظارا کر لیا ہے۔"
حمائل اسکی گردن میں ہوا میں یہی فرمائی تھی اس — (رہبر کی)
نے ہدایت
محل و وقت کا اندازہ کر کے، کشادہ خوب جب پر ہو گئے تھے
تو کھرّے پہلوؤں کو تھام کر وہ پڑے پکّے قدم نیچے جماتا
لگا تودہ بہ تودہ اب اترنے، نکیلی برف، فربہ ڈشٹ کے بیچ، — (ڈشٹ: مکّار بد)
پھر اس حصہ پہ وہ جیسے ہی پہنچا جہاں آ ماس کولہوں پر
سے آ گئے
چلی جاتی تھی مڑ کر ران اسکی، بڑی دقّت، بڑی تکلیف سے وال
مرے رہبر نے اپنے سر کو موڑا جدھر پیر اس کے استادہ تھے
— آ گئے

پھر اس مردار کو یوں سخت پکڑا، کوئی ہوتا ہے جیسے کوہ پیما۔
مجھے تو یہ گماں گزرا کہ واپس جہنم ہی کی جانب مڑ چلے تھے۔
کہا استاد نے یوں ہانپ کر اب تھکن سے چور اک انساں
کی مانند:

"سمجھ لے نردباں جیسی بھی ہے یہ بروں ہم اس
ملامت گاہِ کُل سے
اگر ہوں گے تو اب اس کے ذریعے"۔ نکل کر سنگلاخی درز
سے پس
دھرا مجھ کو کگر پر، میں نشستہ، مرے پہلو میں وہ بھی آن پہنچا
بڑے ہی مضمحل قدموں سے خود بھی۔ نظر میں نے اٹھائی،
تھی توقع
کہ لوسی فر وہیں مجھ کو ملے گا جہاں ہم چھوڑ کر آئے تھے اس کو۔
مگر کیا دیکھتا ہوں اس کی ٹانگیں اب اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں؛
اناڑی پن سے یہ بھی جانچ لے گا جسے بالکل بھی اندازہ
نہیں ہو۔
کہ میں گزرا تھا اس نقطے سے ہو کر، مگر اس فکر میں غلطاں
غضب کی
اذیت سے مرا یاں سابقہ تھا۔ مرے آقا نے چلا کر کہا: "اٹھ
کھڑا ہو پاؤں پر اپنے کہ رستہ طویل اور ہے سڑک دشوار خاصی
ابھی اک آدھ ساعت ہی کے اندر دوپہر کی، پلٹ آئے
گا سورج"۔

یہ کچھ ایوانِ شاہی بھی نہیں تھا فلک کو بس و درخشاں — ہم
جہاں تھے
مگر یہ قدرتی زندانِ محکم — ٹھکانا پیر بھی اس جا گراں تھا،
قلیل و کم رسد بھی روشنی کی۔ اٹھا جب میں تو بولا: "میرے استاد!
کرم فرما، عطا ہوں چند الفاظ خلاصی دیں جو حیرت کے فسوں سے۔
ہوئی وہ برف کیا، اور ایستادہ ہے کیوں اس طرح اوندھا
ہیکل اس کا۔
پھر اتنی مختصر مدت میں کیوں کر سحر تا شام گردش مہر نے کی؟"
جواب اس کا یہ اجمالی: "مگر تو گرفتار اب تلک اس وہم
میں ہے
کہ مرکز سے ابھی تک ماورا ہے جہاں پکڑا تھا میں نے کرم مکروہ
زمیں میں جو کیے جاتا تھا سوراخ — مگر اترائی پہ میں
جب تلک تھا
یقیناً ماورا تو تھا۔ مڑا میں تو اس نقطہ سے تو بھی پار اگزرا،
دھکیلا جا رہا ہے جس کی جانب ہر اک حصہ سے سارا ٹھوس
رکس۔
اب آ پہنچا ہے تو اس ادھ کرے میں مقابل ہے جو اس کے
بر اعظم
ہے گستردہ ادھر، — وہ سائباں کے تلے انسان نے رحلت
جہاں کی،
وہ انساں جو ہوا مولود معصوم، وہ انساں جو رہا معصوم زندہ!

ترے پیر اب ہیں اس اصغر کُرّے پہ جو ڈیجہ جس کا عرف ثانوی ہے۔
سویرا پھوٹتا ہے یاں وہاں جب ڈھلا کرتی ہے شام۔ اور وہ کہ
چڑھ کر

ابھی ہم جسکا کھڑا دھیر آئے کھڑا ہے اوّلیں صورت پہ جابد۔
ہبوط اس حصہ پر گردوں سے اسکا زمیں جو یاں ہوئی پہلے نمودار۔
اسی کے خوف سے لی اوڑھ اس نے سمندر کی ردا، اور یہ سمٹ کر
ہمارے ادھ کرّے کی سمت آئی۔ مگر اس سے گریزیدن کی خاطر
یہ الخالی خلا چھوڑی گئی یاں۔ اسی باعث سے ہے وہ مضبوط خشکی
ہویدا اس طرف برجستہ تنہا۔ وہاں پہ اک مقام اسفل پرے دور
ہے اتنا بالذہب سے جس قدر یہ مقبب مقبرہ پھیلا ہوا ہے۔ قبہ دار
نظر سے تو نہیں دریافت ہو وہ پتہ دے ہاں ندی کی گنگناہٹ
اتر کر اس طرف کی راہ سے جو رواں اک ٹیکری کی کھوکھ میں ہے۔
جسے موجہ نے کاٹا ہے، ادھر سے بہاؤ میں جب اپنے تیز خامی
گزرتی ہے وہ پیچ و خم بناتی۔"

ہوئے اس چور رستہ ہی سے داخل مرا استاد اور میں،
تا کہ لوٹیں

جہان خوش نما کو، اب ذرا بھی نہیں تھی فکر ستانے کی ہم کو۔
وہ ہے بس کوہ پیما۔ پیشرو وہ، عقب میں میں رواں نقش قدم پہ،
ہوئی اس غار کے رخنوں سے عمدہ ضیائیں آسماں کی آشکارا،

نکل کر باہر اس میں سے دوبارا
کیا ہم نے ستاروں کا نظارا

سہو نامہ

صفحہ	سطر/مصرع	غلط	صحیح
۵	۲۱	اردو ادب	ہمارے ادب
۹	۸	اسلام آباد	اسلام آبادی
۵۶	۸	(درست یوں ہے) گرفتاران جد و جہد ایسے کہ چلہ . . .	
۶۶	۵	پہ	پر
۶۹	۱	مالدی	بالدی

خصوصی توجہ

صفحہ	سطر/مصرع	غلط	صحیح
۶۹	۱۱	یہ کینٹو اگلے صفحہ ۷۰ پر جاری ہے	
		رہا تھا گاہے گاہے	
		(یہ مصرع رہ گیا ہے) نظر آتا تھا بیشک سخط بیزار اکیلا ہی اس احوال گراں پر	
		مجھے تو صاف ایسا لگ رہا تھا	
۶۹		لینٹووس۔ نثر کی پانچویں سطر کا سلسلہ صفحہ ۷۲ پر مربوط ہے	
۷۷	۸	وہ وہ	وہ (ایک وہ زائد ہے)
۱۰۷	۱	ایک	اک
۱۲۱	۹	دہی سے بھی سے	دہی سے بھی (ایک سے زائد ہے)
۱۶۲	۱۲	زمین	زمیں
۱۷۸	۷	تو	جو
۱۸۲	۸	تحسین	تحسیں
۱۸۶	۶	دھلے	ڈھلے

اکثر گفتگو میں واویں حذف ہیں، مگر سلسلۂ گفتگو واضح ہے۔
قاری یہ واویں مناسب محل پر فرض کر لیں۔

ادارہ علم و فن پاکستان

کی مطبوعہ کتب

شیشۂ ساعت	شوکت واسطی	۱۵	روپے
کوئے مغاں	"	۲۵	"
ذوق خامہ	"	۲۵	"

غزلیہ	ادارہ	۱۰	روپے
نیا پرانا لہجہ	"	۲۵	"
خاصۂ خاصان رسل	"	۱۲	"
دیپ جلے لہو لہو	"	۳۰	"
میلادِ حیدری	انیسہ عمران	۵،۵۰	"
تقویم براہیمی	آغا احمد حسین	۸	"
سرود امین	کلیم جلیسری	۲۵	"
بہارِ فطرت	ابوالفطرت میر زیدی	۳۰	"
ناتمام	محسن احسان	۳۵	"
آبگینہ	محمد ابن الحسن	۴۰	"
فردوس گم گشتہ	شوکت واسطی	۸۰	"
سوچوں کا نیلام	خالد رحمان	۱۵	"
المیہ حکیم فسطاس	شوکت واسطی	۲۵	"
علاج الصوت	ڈاکٹر فریدی	۴	"
ہفت قلم	شعرائے میلسی	۸	"
تعلیم میں علمیت کا فقدان کیوں؟	ادارہ	۴	"
تحفۂ یادگار	"	۶	"
کربیہ	شوکت واسطی	۶۰	"
سیج کا زہر	فیروزہ بخاری	۱۵	"
دزڑہ بخری	مجبور خٹک	۱۶	"

ملنے کا پتہ

منصور مینشن شاہراہ پاکستان ◯ (پوسٹ بکس نمبر ۲۰۶)
پشاور　　　　　پشاور